8 سماجی شعبے کی ترقی

پچھلے چند برسوں میں بلند معاشی نمو کے باعث سماجی شعبے کی ترقی میں مدد ملی تاہم حالیہ معاشی صورتحال، خصوصاً دو ہندسی گرانی اور جڑواں خسارہ، ترقیاتی منصوبوں کی رفتار کو متاثر کر سکتے ہیں۔ تازہ ترین دستیاب اعداد و شمار سے مثبت رجحانات سامنے آئے ہیں جن کی عکاسی اہم معاشرتی و معاشی اظہاریوں سے ہو رہی ہے۔ ان میں ہیڈ کاؤنٹ تناسب، شرح خواندگی، داخلوں کی مجموعی شرح، اوسط عمر اور شرح بیروزگاری شامل ہیں۔ اس کے باوجود آمدنی میں بڑھتی ہوئی عدم مساوات، بچوں کی روز افزوں شرح اموات اور ملک کی غریب اور کمزور آبادی پر گرانی کے اثرات کو روکنے کے لیے ابھی بہت زیادہ اقدامات درکار ہیں۔ علاوہ ازیں اشاریہ انسانی ترقی کی بنیاد پر کی جانے والی رینکنگ میں پاکستان کی پوزیشن 136 ویں ہے جو بہت نیچے ہے۔ جنوبی ایشیا میں پاکستان صرف بنگلہ دیش اور نیپال سے بہتر پوزیشن پر ہے۔[1]

سماجی ترقی کا شعبہ حکومت کی اولین ترجیحات میں شامل ہے جیسا کہ اقوام متحدہ کے ہزاریہ مقاصدِ ترقی (Millennium Development Goals) کی روشنی میں تشکیل دیے جانے والے وسط مدتی ترقیاتی فریم ورک (Medium Term Development Framework) سے ظاہر ہے۔ مقاصدِ ترقی میں پیش رفت کا جائزہ لینے کے لیے پاکستان نے جو 34 اظہاریے منتخب کیے ہیں ان میں سے 7 اظہاریوں میں پاکستان آگے ہے، 16 میں درست راہ پر گامزن ہے اور 11 میں پیچھے ہے۔[2] حکومت کی غریب دوست حکمت عملی کا اصل مدعا معاشی استحکام برقرار رکھتے ہوئے ترقیاتی اخراجات کو بڑھانا ہے۔ اس سلسلے میں مالی سال 2008ء میں غریب دوست پروگراموں پر جی ڈی پی کے 5.7 فیصد کے مساوی اخراجات کیے گئے جو مالیاتی ذمہ داری اور تحدید قرضہ ایکٹ 2005ء کے تحت درکار 4.5 فیصد شرح سے خاصے زیادہ ہیں۔[3] اہم اظہاریوں میں بہتری کے باوجود آبادی کا بڑا حصہ غربت کے حصار میں قید ہے اور اسے روزمرہ ضروریات زندگی یعنی تعلیم، پینے کا صاف پانی اور بنیادی صحت کی سہولتیں بھی حاصل نہیں۔ حکومت کو غریبوں اور کمزور طبقات کی سماجی بہبود کے لیے زیادہ رقوم مختص کرنی ہوں گی اور ساتھ ہی ساتھ ان وسائل کے مؤثر اور شفاف استعمال کو بھی یقینی بنانا ہوگا۔

8.1 آبادی

پاکستان ایشیا کا چوتھا اور دنیا کا چھٹا سب سے زیادہ گنجان آباد ملک ہے۔ اوسط سالانہ شرح نمو 2.02 فیصد کے ساتھ آبادی 2007ء میں 16 کروڑ تک پہنچ گئی جبکہ 2002ء میں 13 کروڑ 90 لاکھ تھی۔ اس عرصے میں مجموعی عالمی آبادی 1.17 فیصد کی اوسط سالانہ شرح سے بڑھی۔

جدول 8.1: آبادی کی دہری تقسیم (فیصد میں)

	شہری	دیہی	مرد	خواتین
1972ء مردم شماری	25	75	53	47
1981ء مردم شماری	28	72	52	48
1998ء مردم شماری	33	67	52	48
2000ء	33	67	52	48
2005ء	34	66	50	50
2007ء	35	65	49	51

ماخذ: اقتصادی سروے

ہر چند کہ پاپولیشن ریفرنس بیورو کے مطابق پاکستان کی آبادی کی شرح نمو 2000ء میں 2.06 فیصد سے گھٹ کر 2008ء میں 1.8 فیصد ہوگئی ہے تاہم 2050-2007ء کے عرصے میں ملک کی آبادی میں 74 فیصد اضافے کی توقع ہے جو جنوبی ایشیا میں مالدیپ (77 فیصد) کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ فی الوقت مالدیپ کی آبادی صرف 30 لاکھ ہے اور اس کی شرح نمو میں زیادہ متوقع اضافے کی وجہ بیس افیکٹ (base effect) معلوم ہوتی ہے یعنی موجودہ آبادی بہت کم ہونا۔

صنف اور علاقے کی بنیاد پر گہرا تجزیہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ آبادی کا بڑا حصہ ابھی تک دیہات میں رہتا ہے۔ گذشتہ 35 برس (1972ء تا 2007ء) کے دوران شہری آبادی میں 10 فیصدی درجے کا اضافہ ہوا جو خاصا زیادہ ہے (دیکھئے **جدول 8.1**)۔ جنوبی ایشیا کے ممالک میں پاکستان میں شہری آبادی کا تناسب سب سے زیادہ ہے۔ آبادی کے خدوخال کا یہ رجحان شہروں میں بہتر معاشی مواقع کے ارتکاز کی بنا پر ہو سکتا ہے۔ دیہات سے شہروں کی جانب نقل مکانی کی وجہ سے شہروں کے محدود وسائل پر دباؤ پڑنا شروع ہوگیا ہے۔

---

1 ماخذ: انسانی ترقی رپورٹ 08-2007ء

2 ماخذ: سالانہ منصوبہ 09-2008ء

3 ماخذ: اکنامک سروے 08-2007ء

حکومت کو نہ صرف دیہات میں معاشی مواقع کی فراہمی کے لیے بلکہ شہری علاقوں میں نقل مکانی کرکے آنے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے انفراسٹرکچر کو بہتر بنانے کے اقدامات کرنا ہوں گے۔

جدول 8.2: آبادی کے اظہاریے

سال	خام شرح پیدائش☆	خام شرح اموات☆	مجموعی شرح زرخیزی☆☆
2000ء	30.50	8.60	4.30
2002ء	27.30	8.00	4.10
2004ء	27.80	8.70	4.07
2006ء	26.10	7.10	3.80

ماخذ: اکنامک سروے آف پاکستان کے مختلف شمارے

☆فی ہزار افراد، ☆☆فیصد

2007ء میں مجموعی آبادی میں مردوں اور خواتین کے حصے میں تبدیلی آئی اور خواتین کی آبادی کا تناسب جو 2005ء میں 50 فیصد تھا اب بڑھ کر 51 فیصد ہوگیا ہے (دیکھئے جدول **8.1**)۔ یہ تبدیلی قابل توجہ ہے کیونکہ مواقع کے فقدان اور معاشرتی ڈھانچے کی بنا پر آبادی کے اس حصے کی حقیقی صلاحیتیں پورے طور پر استعمال نہیں ہوتیں۔ گو کہ ملک میں خواتین کی شرح خواندگی اور لیبر فورس میں شرکت بڑھ رہی ہے (دیکھئے سیکشن **8.3**) تاہم بہتری کی رفتار سست ہے۔ اگر تعلیم اور معاشی میدان میں خواتین کی شمولیت بڑھانے کی حکمت عملی اختیار کی جائے تو معاشرتی اظہاریوں میں بہتری آسکتی ہے[4] اور اس سے ملک کی مجموعی معاشرتی و معاشی کیفیت پر بہت مثبت اثر پڑے گا۔

شکل 8.1: جنوبی ایشیا میں مجموعی شرح زرخیزی 2006ء

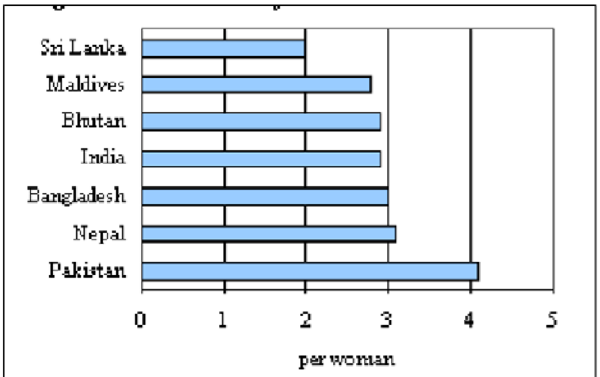

Source: World Development Indicators 2008

آبادی کے دیگر اظہاریے بہتر ہوئے ہیں جیسے خام شرح پیدائش اور خام شرح اموات (دیکھئے جدول **8.2**)۔ وبائی امراض کے خاتمے اور طبی سہولتوں میں بہتری کی وجہ سے خام شرح اموات جو 2000ء میں 8.60 فی ہزار تھی 2006ء میں بہتر ہوکر 7.1 فی ہزار ہوگئی۔ خام شرح پیدائش جو 1999ء میں 30.50 فی ہزار تھی 2006ء میں کسی حد تک بہتر ہوکر 26.1 فی ہزار ہوگئی تاہم یہ اب بھی بہت زیادہ ہے۔[5] مزید برآں مجموعی شرح زرخیزی (Total Fertility Rate) میں کمی دکھائی دیتی ہے۔ بہرحال جنوبی ایشیا میں یہ اب بھی بلند ترین سطح پر ہے (دیکھئے شکل **8.1**)۔

بہبود آبادی کے شعبے کے لیے وسط مدتی ترقیاتی فریم ورک (10-2005ء) میں مختلف اہداف اور حکمت عملی دی گئی ہے جس میں آبادی اور صحت کے شعبوں کو باہم مربوط کرنے پر توجہ مرکوز کی گئی ہے (دیکھئے باکس **8.1**)۔ پاکستان میں بلند شرح پیدائش اور مجموعی شرح زرخیزی کے پیش نظر حکومت نے معاشی ترقی پر آبادی کے منفی اثرات کو اجاگر کرنے کے لیے آگاہی کے متعدد پروگرام شروع کیے ہیں۔ اس بارے میں نہ صرف خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں ابلاغ و مشاورت پر زور دیا جارہا ہے بلکہ سوشل مارکیٹنگ کے حوالے سے بھی بہت سے اقدامات کیے جارہے ہیں۔[6] حکومت کی یہ فعال حکمت عملی نہ صرف آبادی کی شرح نمو کو کم کرنے میں مدد دے گی بلکہ آبادی کے اظہاریوں میں بھی بہتری لائے گی۔

باکس 8.1: وسط مدتی ترقیاتی فریم ورک (10-2005ء) کے شعبہ بہبود آبادی سے متعلق اہداف

☆ آبادی کی نمو کو 2005ء میں 1.87 فیصد سے کم کرکے 2010ء میں 1.6 فیصد تک لانا۔

☆2020ء تک زرخیزی کی شرح 2 بچے فی عورت حاصل کرنا۔

☆محکمہ ہائے صحت کے تمام خدماتی اداروں کے ذریعے خاندانی منصوبہ بندی سمیت تولیدی صحت کی سہولتوں کی فراہمی۔

☆مانع حمل کے پھیلاؤ کی شرح 2005ء میں 29 فیصد سے بڑھا کر 2010ء میں 51 فیصد تک لانا۔

☆شعبہ بہبود آبادی کے اہداف کے حصول کے لیے نجی سرکاری شراکت داری بڑھانا۔

ماخذ: وسط مدتی ترقیاتی فریم ورک (10-2005ء)

4 دیکھئے سالانہ رپورٹ 05-2004ء، بینک دولت پاکستان

5 پاپولیشن ریفرنس بیورو کے مطابق خام شرح پیدائش 30 فی ہزار سے اوپر ہوتو اسے بلند اور 18 فی ہزار سے نیچے ہوتو اسے کم سمجھا جاتا ہے۔

6 ماخذ: اکنامک سروے 08-2007ء

8.2 غربت

عالمی منظرنامہ:

اقوامِ متحدہ کے اعلان ہزاریہ (Millennium Declaration) کے آٹھ ہزاریہ مقاصدِ ترقی میں پہلا مقصد انتہائی غربت اور بھوک کا خاتمہ ہے۔ جن ممالک نے ان پر دستخط کیے ہیں ان کو اس مقصد کے تین اہداف 2015ء تک حاصل کرنے ہیں۔[7] وہ اہداف یہ ہیں: (الف) ایک ڈالر یومیہ سے کم آمدنی والے افراد کی تعداد نصف کرنا، (ب) خواتین اور نوجوانوں سمیت تمام افراد کو مکمل اور پیداواری روزگار اور باوقار ملازمت یا کام مہیا کرنا، اور (ج) بھوک سے متاثرہ افراد کی تعداد کم کرکے نصف تک لے آنا۔ غربت سے متعلق تازہ ترین پیشگوئیوں سے پتہ چلتا ہے کہ عالمی غربت (ایک ڈالر یومیہ کی تعریف کی رو سے) 1990ء میں 29 فیصد سے کم ہوکر 2015ء میں 10 فیصد رہ جائے گی۔[8] جدول 8.3 سے معلوم ہوتا ہے کہ افریقہ کے صحرائے اعظم کے جنوبی علاقے کے سوا تمام خطے 1990ء کی نسبت 2015ء میں غربت کو نصف کرنے کا ہدف کامیابی سے حاصل کرنے کے راستے پر گامزن ہیں۔[9] جنوبی ایشیا میں غربت 2004ء تک کم ہوکر 30.8 فیصد رہ گئی اور 2015ء تک غربت مزید گھٹ کر 15.1 فیصد تک رہ جانے کی توقع ہے جو 21.5 فیصد کے ہدف سے کہیں بہتر ہے۔ پہلا ہزاریہ مقصدِ ترقی حاصل کرنے کی راہ پر درست انداز میں گامزن ہونے کے باوجود جنوبی ایشیا کو 2005ء میں بازار کی شرح مبادلہ پر جی ڈی پی فی کس کے لحاظ سے دنیا کا غریب ترین خطہ قرار دیا گیا۔ تاہم قوت خرید کی پیرٹی کے لحاظ سے جنوبی ایشیا صرف صحرائے اعظم کے جنوبی علاقے سے بہتر تھا۔[10]

جدول 8.3: علاقائی غربت کے اندازے اور ہزاریہ مقاصد ترقی

ایک ڈالر خطِ غربت سے نیچے زندگی بسر کرنے والی فیصد آبادی

خطے	اصل غربت 2004ء	اندازاً غربت 2015ء	ہزاریہ مقاصد ترقی کا غربت کا ہدف 2015ء
جنوب صحرائے اعظم	41.1	31.4	23.4
مشرقی ایشیا اور بحرالکاہل	9	2.8	14.9
یورپ اور وسط ایشیا	0.9	0.2	0.3
جنوبی ایشیا	30.8	15.1	21.5
لاطینی امریکہ اور غرب الہند	8.6	5.5	5.1
مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ	1.5	0.7	1.2

ماخذ: گلوبل مانیٹرنگ رپورٹ 2008ء

اس بارے میں تشویش بڑھتی جارہی ہے کہ غذائی اشیا کی قیمتوں میں حالیہ اضافے سے غربت میں کمی کی کوششیں بے اثر ہوسکتی ہیں خصوصاً کم آمدنی والے ملکوں میں۔[11] عالمی بینک کی نو کم آمدنی والے ممالک کے اعداد و شمار پر مبنی ایک تحقیق کے مطابق[12] قلیل مدت میں بنیادی غذائی اشیا کی قیمتوں میں اضافہ ان تمام ملکوں میں غربت کی شرح میں اضافے پر منتج ہوا۔ آئی ایم ایف کی ایک حالیہ تحقیق کے مطابق "غذا اور ایندھن کی قیمتوں نے تخفیف غربت، غذائی تحفظ کو یقینی بنانے اور کلی معاشی استحکام برقرار رکھنے کے حوالے سے پالیسی کی دشواریاں دوچند کردی ہیں۔"[13]

پاکستان میں غربت:

تازہ ترین دستیاب اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ 05-2004ء کے مقابلے میں 06-2005ء کے دوران غربت کی سطح میں معمولی اضافہ ہوا ہے۔ تاہم اندیشہ ہے کہ مالی سال 2008ء میں دوہندسی گرانی غربت پر منفی اثر مرتب کرے گی۔ م س 08ء میں گرانی بلحاظ صارف اشاریہ قیمت 12 فیصد ریکارڈ کی گئی لیکن کم ترین آمدنی والے گروپ کے لیے یہ 14.26 فیصد تھی جبکہ بلند تر آمدنی والے گروپ کے لیے 10.71 فیصد تھی[14] جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گرانی غریب ترین طبقات پر سب سے زیادہ اثر ڈال رہی ہے۔[15]

---

7 ہزاریہ مقاصدِ ترقی کے بارے میں تفصیلات کے لیے یہ ویب سائٹ ملاحظہ کیجیے: http://www.un.org/millenniumgoals/

8 ماخذ: گلوبل مانیٹرنگ رپورٹ، 2008ء

9 عالمی غربت کم کرنے میں تو کامیابیاں ملی ہیں تاہم بھوک اور ناقص غذائیت پر قابو پانے میں سنگین کوتاہیاں ہوئی ہیں۔ بہرحال جنوبی ایشیا کے بیشتر ممالک کم غذائیت اور بھوک کو ختم کرنے کے حوالے سے صحیح راستے پر گامزن ہیں۔

10 ماخذ: عالمی ترقی کے اظہاریے، 2008ء، عالمی بینک

11 ورلڈ اکنامک آؤٹ لک اپ ڈیٹ، جولائی 2008ء کے مطابق "مستقبل دیدہ میں قیمتوں پر دباؤ کم ہونے کا امکان نہیں۔"

12 Ivanic, Maros, and, Will Martin, 2008, " Implications of Higher Global Food Prices for Poverty in Low-Income Countries"، پالیسی ریسرچ ورکنگ پیپر 4594، عالمی بینک

13 ماخذ: "Food and Fuel Prices-Recent Developments, Macroeconomic Impact, and Policy Responses"، آئی ایم ایف، 30 جون 2008ء

14 وسطی آمدنی گروپس کے لیے 14.10 اور 12.81 فیصد

15 ماخذ: انفلیشن مانیٹر، بینک دولت پاکستان، جون 2008ء

جدول 8.4 میں 01-2000ء، 05-2004ء اور 06-2005ء میں غربت کے اظہاریوں کا موازنہ دیا گیا ہے۔ ہیڈ کاؤنٹ اشاریے[16] سے ظاہر ہوتا ہے کہ خطِ غربت[17] سے نیچے زندگی بسر کرنے والے افراد کی تعداد 05-2004ء میں 23.9 فیصد سے کم ہو کر 06-2005ء میں 22.3 فیصد رہ گئی۔ غربت میں یہ کمی زیادہ تر شہری غربت میں ایک سال کے دوران 1.8 فیصدی درجے کمی کی بنا پر ہوئی جو دیہی غربت میں 1.1 فیصدی درجے کی کمی سے زیادہ ہے۔

جدول 8.4: غربت کے رجحانات (فیصد میں)

	01-2000ء	05-2004ء	06-2005ء
ہیڈ کاؤنٹ			
پاکستان	34.46	23.9	22.3
شہری	22.69	14.9	13.1
دیہی	39.26	28.1	27
غربت کا فرق			
پاکستان	7	4.8	4
شہری	4.6	2.9	2.1
دیہی	8	5.6	5
غربت کی شدت			
پاکستان	2.1	1.5	1.1
شہری	1.4	0.8	0.5
دیہی	2.4	1.8	1.4

ماخذ: اقتصادی سروے 08-2007ء

غربت کے دیگر دو اظہاریے یعنی غربت کا فرق (poverty gap)[18] اور غربت کی شدت (severity of poverty)[19] بھی 05-2004ء کی نسبت 06-2005ء کے دوران کم ہوئے۔ قومی سطح پر بھی اور دیہی و شہری سطح پر بھی یہ دونوں اظہاریے بہتر ہوگئے۔ غربت کا فرق 05-2004ء کے دوران 4.8 فیصد سے کم ہو کر 06-2005ء میں 4.0 فیصد ہو گیا جبکہ غربت کی شدت 05-2004ء میں 1.5 فیصد سے کم ہو کر 06-2005ء میں 1.1 فیصد رہ گئی۔ مذکورہ عرصے میں شہری غربت کا فرق 0.8 فیصدی درجے جبکہ دیہی غربت کا فرق 0.6 فیصد درجے کم ہوا۔ دیہات میں غربت کی شدت 0.4 فیصدی درجے اور شہروں میں 0.3 فیصدی درجے کم ہوئی۔

غربت کے مندرجہ بالا رجحانات کے علاوہ یہ جائزہ لینا بھی ضروری ہے کہ خطِ غربت کے حوالے سے آبادی کے مختلف حصے کن علاقوں میں ہیں۔ اس مقصد کے لیے آبادی کو مختلف 'آبادیاتی پٹیوں' میں تقسیم کیا جاتا ہے جیسے انتہائی غریب (ultra poor)، بے حد غریب (extremely poor)، غریب، کمزور (vulnerable)، نیم غیر غریب (quasi non-poor) اور غیر غریب۔ **جدول 8.5** سے پتہ چلتا ہے کہ 01-2000ء سے انتہائی غریب اور بے حد غریب کی شرح کم ہوئی ہے جبکہ نیم غیر غریب اور غیر غریب کی شرحوں میں اضافہ ہوا ہے۔ 05-2004ء اور 06-2005ء کے درمیان انتہائی غریب افراد کی شرح آدھی ہو کر

جدول 8.5: مختلف طبقات غربت کی آبادی (فیصد)

طبقے کی تعریف	01-2000ء خطِ غربت=723.40 روپے	05-2004ء خطِ غربت=878.64 روپے	06-2005ء خطِ غربت=944.47 روپے
انتہائی غریب: خطِ غربت کے 50 فیصد سے کم خرچ کرنے والی آبادی	1.10	1.00	0.50
بے حد غربت: خطِ غربت کے 50 سے 75 فیصد تک خرچ کرنے والی آبادی	10.80	6.50	5.40
غریب: خطِ غربت کے 75 سے 100 فیصد تک خرچ کرنے والی آبادی	22.50	16.40	16.40
کمزور: خطِ غربت کے 100 سے 125 فیصد تک خرچ کرنے والی آبادی	22.50	20.50	20.50
نیم غیر غریب: خطِ غربت کے 125 سے 200 فیصد تک خرچ کرنے والی آبادی	30.10	35.00	36.30
غیر غریب: خطِ غربت کے 200 فیصد سے زائد خرچ کرنے والی آبادی	13.00	20.50	20.90

ماخذ: اقتصادی سروے 08-2007ء

0.5 رہ گئی اور بے حد غریب افراد کی شرح میں 1.1 فیصدی درجے کی کمی واقع ہوئی۔ البتہ 06-2005ء میں 'غریب' اور 'کمزور' آبادی کی شرح وہی رہی جو 05-2004ء میں تھی اور یہی افراد آبادی کا سب سے بڑا حصہ (36.90 فیصد) ہیں۔ اندیشہ ہے کہ غذائی اشیا اور تیل کی قیمتوں میں حالیہ اضافے اور زراعت کی سست

16 ہیڈ کاؤنٹ تناسب سے مراد خطِ غربت سے نیچے زندگی بسر کرنے والی آبادی کی شرح ہے۔
17 گرانی سے ہم آہنگ کیا گیا تازہ ترین خطِ غربت 944.47 روپے فی بالغ فرد ماہانہ ہے جبکہ 05-2004ء میں یہ 878.64 روپے تھا۔
18 غربت کے فرق کا اشاریہ غربت کی گہرائی کی پیمائش کرتا ہے اور اس اشاریے کو ہیڈ کاؤنٹ تناسب سے تقسیم کیا جائے تو خطِ غربت سے اوسط فاصلہ معلوم ہوتا ہے۔ غربت کے فرق کے اشاریے کی قیمت کم ہو تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غریب افراد خطِ غربت کے آس پاس ہیں۔
19 غربت کی شدت سے غریب افراد کے مابین عدم مساوات کا پتہ چلتا ہے۔

نمو سے یہ آبادی متاثر ہوگی جس سے پچھلے چند برسوں میں تخفیف غربت کے حوالے سے ہونے والی کامیابیاں رائیگاں جاسکتی ہیں۔

حکومت پاکستان نے ملک میں غربت اور بھوک کے خاتمے کی کوششیں وسیع کرنے کا عزم کررکھا ہے۔حکومت نے غریب دوست اخراجات میں مسلسل اضافہ کیا ہے۔مالی سال 2002ء میں یہ اخراجات 167.3 ارب روپے تھے جو مالی سال 2007ء میں بڑھ کر 497.5 ارب روپے ہوگئے (دیکھئے **شکل 8.2**)۔[20] م س 07ء میں جی ڈی پی کے 5.7 فیصد کے مساوی غریب دوست اخراجات مالیاتی ذمہ داری اور تحدید قرضہ ایکٹ 2005ء کے تحت درکار 4.5 فیصد کی شرح سے خاصے زیادہ تھے۔پھر م س 08ء میں یہ اخراجات مزید بڑھا کر 597.5 ارب روپے کردیے گئے جو جی ڈی پی کا 6.0 فیصد ہے۔[21]

شکل 8.2: سماجی شعبے اور تخفیف غربت سے متعلق اخراجات

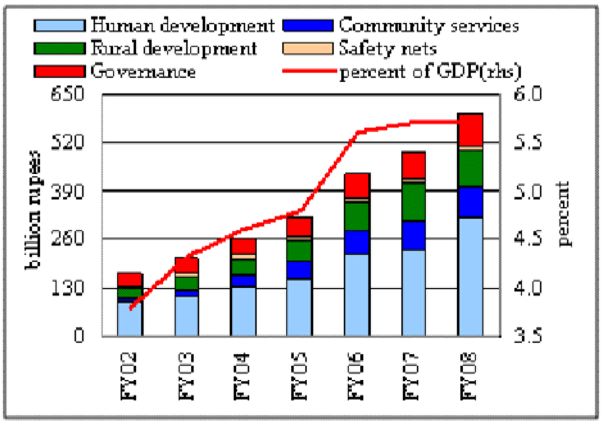

صرفی عدم مساوات:

پاکستان میں مطلق غربت کے زوال پذیر رجحان کے باوصف صرفی عدم مساوات میں اضافہ ہوا ہے جس سے امیر وغریب کے درمیان خلیج بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے۔عدم مساوات کی پیمائش کے لیے بالعموم استعمال ہونے والے دونوں اظہاریوں جنی عددی سر[22] اور بلندترین اور کم ترین کوئنٹائلز کے مابین اخراجات کے تناسب دونوں سے اس امر کی عکاسی ہوتی ہے کہ قومی سطح پر صرفی عدم مساوات بڑھی ہے (دیکھئے **شکل 8.3 الف اور 8.3 ب**)۔پاکستان کا جنی عددی سر 2005ء میں 0.2976 سے معمولی سا بڑھ کر 2006ء میں 0.3018 ہوگیا۔اسی طرح بلندترین اور کم ترین کوئنٹائلز کے مابین اخراجات کا تناسب بھی جو 2005ء میں 4.15 تھا 2006ء میں 4.20 ہوگیا۔4.20 کا تناسب یہ ظاہر کرتا ہے کہ آبادی کے

شکل 8.3 الف: جنی عددی سر

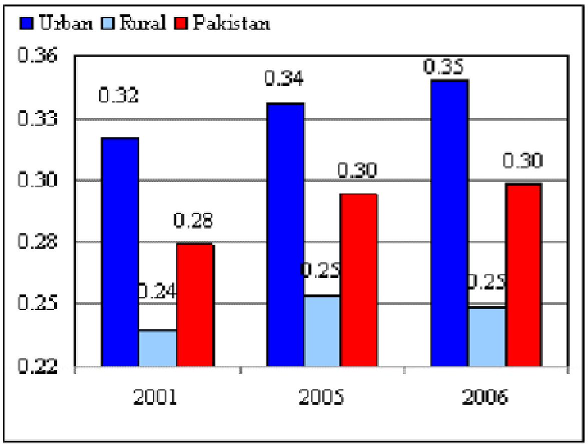

شکل 8.3 ب: بلندترین اور کم ترین کا تناسب

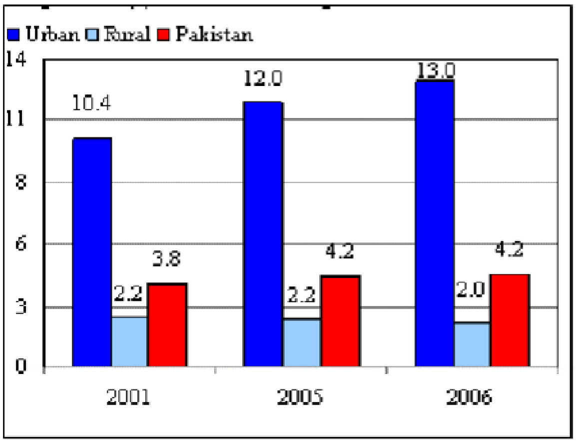

20 ماخذ: اکنامک سروے 2007-08ء

21 ایضاً

22 جنی عددی سر کی قیمت 0 اور 1 کے درمیان ہوتی ہے۔جنی عددی سر کی قیمت زیادہ ہوتو عدم مساوات زیادہ ہوگی۔

20 فیصد امیر ترین افراد نے جو اخراجات کیے وہ آبادی کے 20 فیصد غریب ترین افراد کی جانب سے کیے گئے اخراجات کا چار گنا تھے (40.3 بمقابلہ 9.6)۔ جہاں تک شہری اور دیہی اخراجات کا تعلق ہے دونوں اظہاریوں سے معلوم ہوتا ہے کہ 2005ء کی نسبت 2006ء میں دیہی عدم مساوات کم ہوئی جبکہ اسی عرصے میں شہری عدم مساوات بڑھی۔

صرفی عدم مساوات میں اضافہ تشویشناک ہے تاہم حکومت کی رائے یہ ہے کہ صرفی عدم مساوات میں نمایاں بہتری غریبوں کے لیے روزگار کے مواقع پیدا کرکے صرف طویل مدت میں ہی ممکن ہے۔ اس مقصد کے لیے حکومت نے زراعت، چھوٹے اور درمیانے درجے کے کاروباری اداروں اور مکانات و تعمیرات جیسے شعبوں کو ترجیحات میں سرفہرست رکھا ہے۔[23] طویل المیعاد حکمت عملی کے علاوہ قلیل و وسط مدت میں سماجی تحفظ کی حکمت عملی[24] نافذ کی جارہی ہے تاکہ معاشرے کے غریب و کمزور طبقات کو فوری طور پر مدد فراہم ہو سکے۔

غربت اور عدم مساوات میں کمی کی حکمت ہائے عملی

2005-06ء کے دوران غربت میں کمی اس بات کا ثبوت ہے کہ پاکستان نے ہزاریہ مقاصدِ ترقی پورا کرنے کا عزم کر رکھا ہے۔ ہزاریہ مقاصدِ ترقی کے حصول کے لیے وسط مدتی ترقیاتی فریم ورک میں تخفیف غربت کے لیے سات بنیادی تصورات دیے گئے ہیں۔[25] وسط مدتی ترقیاتی فریم ورک میں اعلان ہزاریہ 2000ء کے دو اہم اہداف حاصل کرنے کا روڈ میپ فراہم کیا گیا ہے۔[26] ان اہداف کے تحت 2010ء تک غربت کم کرکے 21 فیصد اور 2015ء تک 13 فیصد کردی جائے گی۔[27] تخفیف غربت کے لیے ہزاریہ مقاصدِ ترقی کی حکمت عملی میں غریب دوست نمو، سماجی ترقی، خوش انتظامی (good governance)، معاشرتی تحفظ شامل ہیں۔ وسط مدتی ترقیاتی فریم ورک میں 2030ء کے وژن کو 10-2005ء کے دوران عملاً نافذ کرنا شامل ہے جس میں ''پائیدار معاشی نمو'' پر زور دیا جائے گا۔ دوسری جانب پاورٹی ریڈکشن اسٹریٹجی پیپر ٹو (PRSP-II) میں اس بات کو یقینی بنانے کے لیے حکمت عملی پیش کی گئی ہے کہ نمو وسیع البنیاد ہو اور مؤثر تخفیف غربت پر منتج ہو۔ پی آر ایس پی ٹو کے سات ستون ہیں (دیکھیے باکس **8.2**) جن میں وسط مدتی ترقیاتی فریم ورک 10-2005ء کے مطابق تخفیف غربت کی وسیع البنیاد حکمت عملی وضع کی گئی ہے۔ مزید برآں حکومت غریب طبقات پر غذائی اشیا اور تیل کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کے اثرات سے آگاہ ہے۔ پاکستان میں غربت پر گرانی خصوصاً غذائی اشیا کی مہنگائی کے منفی اثرات کو پیش نظر رکھتے ہوئے نومنتخب حکومت غربت میں کمی کے پروگرام پر فعال انداز میں عمل کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں 09-2008ء کے دوران وزیر اعظم کے خصوصی اقدامات کا لب لباب تخفیف غربت اور روزگار پیدا کرنے کے مواقع سے متعلق کارروائیاں ہیں (دیکھیے باکس **8.3**)۔

باکس 8.2: تخفیف غربت حکمت عملی مقالہ دوم (PRSP-II) کے ستون

تخفیف غربت حکمت عملی کا دوسرا مقالہ مندرجہ ذیل سات ستونوں کے گرد گھومتا ہے:

ستون نمبر 1: معاشی نمو اور کلی معاشی استحکام کے محرکین
ستون نمبر 2: مسابقتی برتری کا حصول
ستون نمبر 3: عوام کی صلاحیتوں کو صیقل کرنا
ستون نمبر 4: مالی شعبے میں گہرائی اور معاشی ترقی
ستون نمبر 5: عالمی سطح کے انفرا اسٹرکچر کی فراہمی
ستون نمبر 6: مؤثر حکمرانی اور نظم و نسق
ستون نمبر 7: غریب اور کمزور طبقات کو ہدف بنانا

ماخذ: پاورٹی رڈکشن اسٹریٹجی پیپر ٹو کا مسودہ خلاصہ، وزارت خزانہ، حکومت پاکستان، اپریل 2007ء۔

8.3 روزگار

2007ء کے دوران عالمی معاشی نمو بلند رہی جس سے دنیا میں محنت کشوں کی منڈیاں مستحکم ہوئیں۔ پیداواریت کی بلند سطح کے باعث جو روزگار پیدا ہوا اس کا بڑا حصہ جنوبی ایشیا میں تھا۔ عالمی ادارۂ محنت اور آئی ایم ایف کے تخمینوں کے مطابق بین الاقوامی سطح پر محنت کشوں کی منڈی کی وجہ سے عالمی روزگار پر معاشی سست رفتاری کے اثرات کم سے کم ہونے کی توقع ہے کیونکہ یہ امکانات ہیں کہ مثبت معاشی نمو والے علاقے دوسرے ملکوں میں سست رفتار نمو کے اثرات کو زائل کردیں گے۔[28]

---

23 ماخذ: وسط مدتی ترقیاتی فریم ورک 10-2005ء
24 دیکھیے بینک دولت پاکستان کی تیسری سہ ماہی رپورٹ م س 08ء میں خصوصی سیکشن: سماجی تحفظ، ایک تعارف۔
25 دیگر تصورات میں بنیادی اور کالج کی تعلیم، صحت، غذا کی فراہمی کے اقدامات، بہبود آبادی، پانی اور نکاسی آب، ماحول اور پائیدار ترقی اور خواتین کی ترقی شامل ہیں۔
26 وہ اہداف ہیں: (i) خط غربت سے نیچے زندگی بسر کرنے والے افراد کی تعداد کم کرکے نصف تک لانا، اور (ii) بھوک سے متاثرہ آبادی کا تناسب نصف کرنا۔
27 ماخذ: وسط مدتی ترقیاتی فریم ورک 10-2005ء کا وسط مدتی جائزہ، پلاننگ کمیشن، حکومت پاکستان، مئی 2008ء
28 عالمی روزگار کے رجحانات 2008ء عالمی ادارۂ محنت، جنیوا

باکس 8.3: تخفیف غربت کے لیے حکومت کے حالیہ اقدامات

☆ غریب اور کمزور طبقات کو دھچکوں سے بچانے کے لیے تحفظ کے پروگراموں میں اضافہ۔
☆ ہنرمندی سمیت تعلیم کو بہتر بنا کر روزگار کی تخلیق میں تیزی لانا۔
☆ ترقی کے لیے پسماندہ علاقوں پر توجہ مرکوز کرنا۔
☆ زرعی نمو میں نئی روح پھونکنا کیونکہ دیہی علاقوں میں غربت عام ہے۔
☆ مالی شمولیت اور خرد مالکاری اور چھوٹے اور درمیانی درجے کے کاروباری اداروں کے شعبے پر خصوصی توجہ۔

اس سلسلے میں خصوصی پروگراموں میں سماجی تحفظ کے لیے انکم سپورٹ فنڈ، ہنرمند پاکستان، پلیسمنٹ بیوروز، غریبوں کے لیے تعمیر مکان کے فنڈ، سفید انقلاب، بنیادی صحت یونٹس میں توسیع اور موجودہ یونٹوں کی بہتری، ولیج پراڈکٹ اسپیشلائزیشن اور لیڈی ہیلتھ ورکرز کی تعداد ایک لاکھ سے بڑھا کر دو لاکھ کرنا شامل ہیں۔

ماخذ: سالانہ منصوبہ 09-2008ء

پاکستان کی لیبر فورس میں گذشتہ برسوں میں اضافہ ہوا ہے اور 07-2006ء میں یہ 5 کروڑ 3 لاکھ 30 ہزار تک جا پہنچی ہے۔ پچھلے چھ برسوں میں مثبت معاشی نمو برسرروزگار لیبر فورس کی تعداد میں اضافے پر منتج ہوئی ہے جو 07-2006ء کے دوران 4 کروڑ 76 لاکھ 50 ہزار تک پہنچ گئی جبکہ 06-2005ء میں یہ 4 کروڑ 69 لاکھ 50 ہزار اور 02-2001ء میں 3 کروڑ 83 لاکھ 70 ہزار تھی۔ برسرروزگار محنت کشوں کی تعداد میں اس اضافے کے ساتھ محنت کشوں کی شرح شرکت (Labour Force Participation Rate) میں بھی اضافہ ہوا اور اس سے بیروزگاری کی شرح بھی گھٹ گئی (دیکھیے **شکل 8.4 الف**)۔ شرح بیروزگاری 02-2001ء میں 3.46 فیصد سے گھٹ کر 07-2006ء میں 2.68 فیصد رہ گئی۔

شکل 8.4 الف: پاکستان میں روزگار کی کیفیت

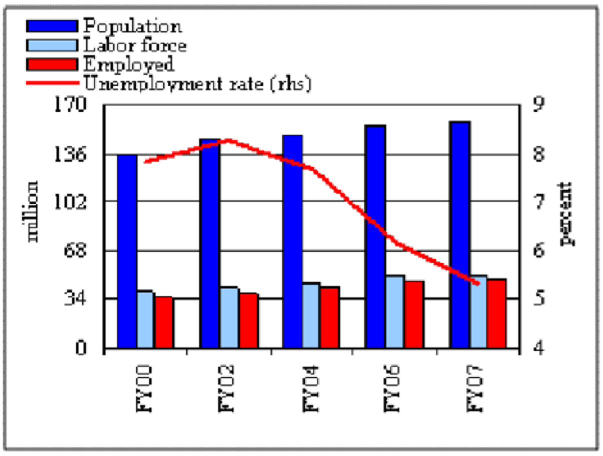

اگرچہ یہ اظہاریے مثبت منظرنامہ پیش کر رہے ہیں تاہم کچھ تشویشناک پہلو بھی ہیں۔ 07-2006ء کے دوران روزگار کے صرف 7 لاکھ مواقع پیدا ہوئے جس میں دیہات (6 لاکھ 20 ہزار) اور شہروں (80 ہزار) کے درمیان بہت زیادہ فرق تھا۔

بیروزگاری کی سطح 02-2001ء سے بدستور کم ہو رہی ہے۔ تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق روزگار پیدا کرنے کی حکومتی پالیسیوں (دیکھیے **باکس 8.4**) کے باعث بے روزگاری کی سطح 07-2006ء میں کم ہو کر 26 لاکھ 80 ہزار تک پہنچ گئی جبکہ 06-2005ء میں یہ سطح 31 لاکھ تھی۔ چونکہ روزگار کے سب سے زیادہ زراعت میں پیدا ہوتے ہیں اس لیے دیہی بیروزگاری کی سطح شہری علاقوں سے کم رہی (دیکھیے **شکل 8.4 ب**)۔

جہاں تک صنفی بیروزگاری کا تعلق ہے، دیہی اور شہری علاقوں دونوں میں خواتین کی بیروزگاری کم ہوئی ہے جبکہ مردوں کی بیروزگاری میں معمولی سی کمی دیکھنے میں آئی ہے۔ خواتین کی شرح بیروزگاری میں کمی کی وجوہات میں خرد مالکاری جیسے اقدامات شامل ہو سکتے ہیں جن سے خواتین کو کاروبار کرنے کے مواقع ملے ہیں۔

بیروزگاری بلحاظ عمر کی شرح (دیکھیے **جدول 8.6**) میں بھی مثبت تبدیلی نظر آتی ہے یعنی کم عمر افراد کی بیروزگاری کی شرح میں اضافہ ہوا ہے اور موزوں عمر کی محنت کش افرادی قوت کی شرح بیروزگاری کم ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ 15 تا 19 سے لے کر 55 تا 59 سال تک کے تمام عمر کے گروپوں میں بیروزگاری کی شرح کم ہوئی ہے اور 60 سال سے زائد کے عمر کے گروپ میں بڑھی ہے۔ مجموعی بیروزگار لیبر فورس میں بوڑھے افراد کا حصہ 06-2005ء میں 11.62 فیصد سے بڑھ کر 07-2006ء میں 13.71 فیصد ہو گیا۔ حکومت مختلف اقدامات کے ذریعے سینئر شہریوں کو سہولتیں فراہم کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے تاہم وسائل کی کمی کی بنا پر ان اقدامات کا دائرہ محدود رہا ہے۔ اس لیے 60 سال سے زائد عمر کے افراد کی بقا کے لیے روزگار کی سہولتیں فراہم کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ اس گروپ کے لیے روزی کمانا مشکل ہو گیا ہے۔ بیروزگاری کی شرح میں نمایاں کمی کے باوجود معاشی منتظمین کو اس امر کو یقینی

بنانا ہوگا کہ معاشی نمو کے فوائد روزگار کی تخلیق کی شکل میں لوگوں تک پہنچتے رہیں خصوصاً موجودہ صورتحال میں جب جی ڈی پی کی نمو سست اور گرانی میں اضافہ ہوا ہے۔

روزگار کی شعبہ وار صورتحال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ 07-2006ء میں مجموعی محنت کش افرادی قوت کا 86 فیصد معیشت کے چار شعبوں میں کام کررہا تھا جس میں زراعت میں 43.61 فیصد، تجارت میں 14.43 فیصد، خدمات میں 14.41 فیصد اور اشیا سازی میں 13.54 فیصد افراد برسرروزگار تھے (دیکھئے **شکل 8.5**)۔ روزگار کے مواقع کے حوالے سے زراعت اب بھی سب سے بڑا شعبہ ہے۔ زراعت کے علاوہ خدمات اور تعمیرات کے شعبوں کی محنت کش افرادی قوت میں اضافہ ہوا۔

شکل 8.4ب: پاکستان میں بیروزگاری کی شرح

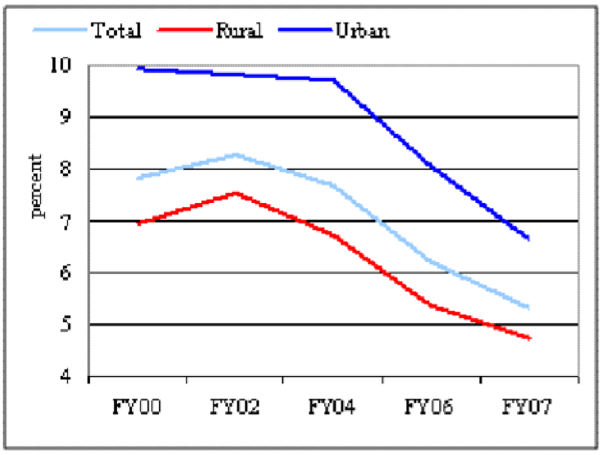

باکس 8.4: روزگار کی تخلیق کے حکومتی اقدامات

تمام افراد کو روزگار فراہم کرنے کے لیے حکومت نے کئی پروگراموں کا آغاز کیا ہے۔ اس میں براہ راست ملک میں روزگار کے مواقع پیدا کرنے کے علاوہ روزگار کے حوالے سے بین الاقوامی منڈی تک رسائی حاصل کرنے کے اقدامات شامل ہیں۔ حکومت نے مندرجہ ذیل اقدامات کیے ہیں:

چھوٹے اور درمیانی درجے کے کاروباری ادارے (SME): ایس ایم ای کا شعبہ روزگار کی تخلیق کا اچھا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ حکومت نے نہ صرف ایس ایم ای بینک قائم کیا ہے بلکہ خود روزگاری کے لیے ہمدرد پاکستان اسکیم بھی متعارف کرائی ہے۔ 2008ء تک ان اقدامات کے طفیل 47,213 افراد اور 6,745 چھوٹے اور درمیانی درجے کے کاروباری اداروں کو روزگار ملا ہے۔

خرد مالکاری: خرد مالکاری تخفیف غربت اور روزگار کی تخلیق کا بہت اچھا طریقہ ثابت ہوا ہے۔ اسٹیٹ بینک نے خرد مالکاری بینک قائم کرنے میں مدد دی ہے جن میں خوشحالی بینک نمایاں ہے۔ جولائی 2007ء تک خوشحالی بینک 11.71 روپے کے قرضے تقسیم کرچکا تھا اور 1118,502 افراد کے لیے روزگار پیدا کرچکا تھا۔ نیشنل بینک آف پاکستان نے صدر کی روزگار اسکیم کے تحت خرد مالکاری پر مبنی مصنوعات تیار کیں اور انہیں 'این بی پی کاروبار' کا نام دیا۔ اس اسکیم کے تحت بینک زیادہ سے زیادہ پانچ سال کے لیے اوسطاً ایک لاکھ روپے کے قرضے فراہم کرتا ہے۔ خرد مالکاری حاصل کرنے والے تاجروں کو بینک تین ماہ کی رعایتی مہلت بھی دیتا ہے۔

نیشنل انٹرن شپ پروگرام: نوجوان پروفیشنلز کو تربیت اور مالی مدد فراہم کرنے کے لیے وفاقی حکومت نے نیشنل انٹرن شپ پروگروم متعارف کرایا ہے۔ سولہ سال کی تعلیم حاصل کرنے والے نئے گریجویٹس کو دس ہزار روپے کا وظیفہ دیا جاتا ہے اور 20,000 نوجوانوں کو حکومت کے مختلف محکمے میں بھرتی کیا گیا ہے۔ اس پروگرام نے نوجوانوں کی استعداد کاری اور سرکاری شعبے کی کارکردگی بہتر بنانے میں مدد دی ہے۔

لیبر مارکیٹ انفرمیشن سسٹم: لیبر اور مین پاور ڈویژن نے ایک لیبر مارکیٹ انفرمیشن سسٹم وضع کیا ہے جس کا مقصد محنت کشوں کی منڈی سے متعلق معلومات اکٹھا اور مربوط کرنا ہے۔ اس نظام کے ذریعے ملک میں روزگار اور بیروزگاری کے بارے میں اعداد و شمار جمع کیے جائیں گے جس سے پالیسی سازوں کو پالیسیاں تشکیل دینے میں مدد ملے گی۔

پالیسی پلاننگ سیل: محنت اور افرادی قوت کی وزارت نے ایک سیل قائم کیا ہے جسے اندرون اور بیرون ملک روزگار سے متعلق پالیسیاں تشکیل دینے، محنت کشوں کی سمندر پار ہجرت کو آسان بنانے، لیبر قوانین متعارف کرانے اور بہبود فنڈ زاور پنشن اسکیموں جیسے اقدامات کے ذریعے محنت کشوں کے مفادات کے تحفظ کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

تکنیکی اور ہنروری کی تربیت: ہنرمند محنت کشوں کی دستیابی کو یقینی بنانے کے لیے وفاقی سطح پر نیشنل ووکیشنل اینڈ ٹیکنیکل ایجوکیشن کمیشن (NAVTEC) قائم کیا گیا ہے۔ توقع ہے کہ یہ کمیشن جدید نصاب کی تیاری، تربیتی مراکز کے قیام اور تیکنیکی اور ہنرورانہ تربیت کے درمیان خلیج کو کم کرنے کے لیے سلسلے میں موزوں انفرااسٹرکچر قائم کرنے میں مدد دے گا۔ 2007ء کے دوران اس کمیشن کے تحت 23844 افراد کو تربیت دی گئی جبکہ 2008ء کے لیے دو لاکھ افراد کو تربیت دینے کا ہدف مقرر کیا گیا ہے۔

اسکل ڈویلپمنٹ کونسلز: لیبر اینڈ مین پاور ڈویژن نے پانچ بڑے شہروں اسلام آباد، کراچی، لاہور، پشاور اور کوئٹہ میں اسکل ڈویلپمنٹ کونسلز قائم کی ہیں۔ یہ کونسلز فیزیبلٹی اسٹڈیز کرتی ہیں جن کی بنیاد پر ان علاقوں کے لیے تربیتی ضروریات کا تعین کیا جاتا ہے۔ ان کونسلوں کی قیادت صنعتی نمائندے کرتے ہیں اور ان میں اب تک 46,674 افراد تربیت پاچکے ہیں۔

ماخذ: پاکستان اکنامک سروے 08-2007ء اور وسط مدتی ترقیاتی فریم ورک

جدول 8.6: شرح بے روزگاری بلحاظ عمر — فیصد

عمر	2005-06ء	2006-07ء
10 سال اور زائد	6.2	5.32
10 اور 14 کے درمیان	7.89	9.1
15 اور 19 کے درمیان	9.98	8.38
20 اور 24 کے درمیان	7.37	6.67
25 اور 29 کے درمیان	4.88	4.07
30 اور 34 کے درمیان	2.85	1.97
35 اور 39 کے درمیان	2.37	1.5
40 اور 44 کے درمیان	2.68	1.76
45 اور 49 کے درمیان	2.87	2.6
50 اور 54 کے درمیان	6.32	4.78
55 اور 59 کے درمیان	8.35	7.39
60 سال اور زائد	11.62	13.71

ماخذ: اقتصادی سروے 2007-08ء

شکل 8.5: شعبہ وار روزگار

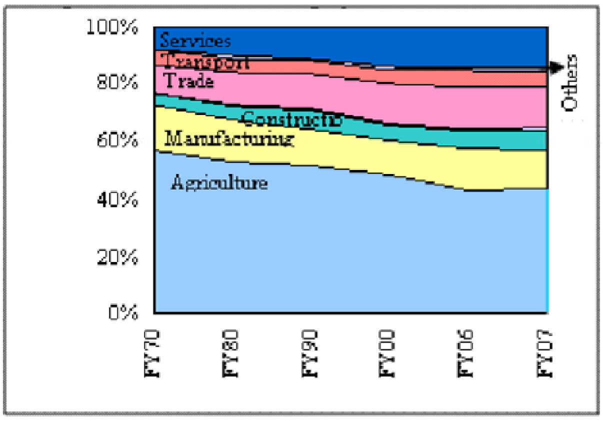

محنت کش افرادی قوت کی سرگرمیوں کے لحاظ سے تقسیم سے پتہ چلتا ہے کہ افرادی قوت میں اکثریت ملازمین (37.42 فیصد) کی ہے (دیکھئے **شکل 8.6**) جس کے بعد خود روزگار (34.52 فیصد) کا نمبر ہے۔ بلا اجرت کام کرنے والے گھریلو مددگاروں کی تعداد 2006-07ء میں ایک کروڑ 29 لاکھ 80 ہزار ریکارڈ کی گئی جو مجموعی محنت کش افرادی قوت کا 27.24 فیصد ہے جبکہ 1999-2000ء میں یہ شرح 21.39 فیصد تھی۔ بلا اجرت کام کرنے والے گھریلو مددگاروں کی تعداد میں 5.84 فیصدی درجوں کے اس اضافے کی وجہ ڈیری اور گلہ بانی کے شعبے میں حکومتی اقدامات معلوم ہوتے ہیں۔ بلا اجرت کام کرنے والے گھریلو مددگاروں میں خواتین کا حصہ 1999-2000ء میں 32.9 فیصد سے بڑھ کر 2006-07ء میں 45.46 فیصد ہو گیا۔[29] روزگار کے دیگر زمروں میں خواتین کے حصے میں شرح فیصد کے لحاظ سے کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا۔ اس نوعیت کی صورتحال اور بطور آجر ایک بے ضابطہ شعبے کی موجودگی پالیسی سازوں کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔ پالیسی ساز محنت کش افرادی قوت کے اس حصے کا تحفظ نہیں کر سکتے چنانچہ ان کے لیے روزگار سے متعلق اصلاحات کا فائدہ اٹھانا بھی مشکل ہے (دیکھئے **باکس 8.5**)۔

شکل 8.6: سرگرمیوں کے لحاظ سے روزگار کی کیفیت

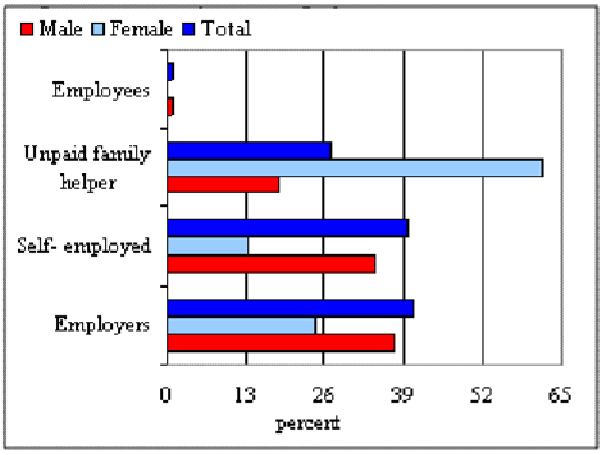

محنت کشوں کی شرح شرکت (LFPR) سے پتہ چلتا ہے کہ معیشت میں افرادی قوت کی رسد اور اس کی ہیئت ترکیبی بہتر ہوئی ہے اور 2006-07ء میں کام کرنے والی عمر کی آبادی (10 سال اور زائد) کا تخمینہ 11 کروڑ 13 لاکھ 90 ہزار لگایا گیا۔[30] پنجاب کے سوا صوبائی ایل ایف پی آر 2006-07ء میں 45.2 فیصد کے قومی اوسط سے کم رہی اور تمام صوبوں کے ایل ایف پی آر میں کمی آئی (دیکھئے **شکل 8.7**)۔ 2005-06ء کے مقابلے میں 2006-07ء میں پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کے ایل ایف پی آر میں بالترتیب 0.4، 0.2، 3.4 اور 1.6 فیصدی درجے کی آئی۔

29 ماخذ: اکنامک سروے 2007-08ء

30 ماخذ: اکنامک سروے 2007-08ء

باکس 8.5: کمزور روزگار کے اظہاریے

کمزور روزگار کے اس اظہاریے میں خود روزگار اور بلا اجرت کام کرنے والے گھریلو کارکنوں کی مجموعی تعداد کو کل محنت کش افرادی قوت کے فیصد کے طور پر نکالا جاتا ہے۔ چونکہ خود روزگار اور بلا اجرت گھریلو کارکنوں کا کام باضابطہ انداز میں نہیں ہوتا اس لیے یہ اظہاریہ کمزور روزگار کے بارے میں اس حوالے سے معلومات فراہم کرتا ہے کہ بے ضابطہ لیبر مارکیٹ کی سطح بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے۔ محنت کش افرادی قوت کے یہ دونوں طبقات معاشی خطرات سے دوچار ہوتے ہیں کیونکہ انہیں سماجی تحفظ اور حفاظتی جال (safety nets) تک رسائی حاصل نہیں ہوتی جو انہیں معاشی دھچکوں سے محفوظ رکھے۔ پاکستان میں کمزور روزگار کے اعداد و شمار اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام/عالمی ادارۂ محنت کے لیبر مارکیٹ انفرمیشن اینڈ انالسس پروجیکٹ (لیما) سے لیے گئے ہیں۔

لیما کے 2007ء میں فراہم کردہ اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں 1990-2000ء اور 2005-06ء کے درمیان کمزور روزگار کی سطح 2.5 فیصدی درجے کم ہوگئی۔ یہ کمی تشویشناک ہے کیونکہ یہ بہت زیادہ معاشی نمو کے دور میں واقع ہوئی۔ اس بارے میں باریک بینی سے تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے کہ محنت کش افرادی قوت کے کن طبقات کو فائدہ ہوا اور کون سے محروم رہے۔ قومی سطح پر کمزور بیروزگاری ناخواندگی کی بلند شرح کے ساتھ دیکھنے میں آتی ہے جس کی وجہ سے لوگ خود روزگاری یا بلا اجرت گھریلو روزگار کی طرف راغب ہوتے ہیں۔

لیما کے 2007ء میں جاری کردہ رجحانات کے مطابق اگر صنفی تجزیہ کیا جائے تو مردوں میں کمزور روزگار 0.5 فیصدی درجے کم ہوا ہے جبکہ خواتین میں 6.5 فیصدی درجے بڑھا ہے۔ خواتین میں کمزور روزگار میں اضافے کا سبب بلا اجرت گھریلو کارکنوں کا بڑھتا ہوا تناسب ہوسکتا ہے۔

ماخذ: گلوبل ایمپلائمنٹ ٹرینڈز، عالمی ادارۂ محنت 2008ء

نوجوان ملک کی محنت کش افرادی قوت کا اہم حصہ ہیں۔ ترقی یافتہ ملکوں کی نوجوان محنت کش افرادی قوت میں کمی آرہی ہے لیکن ترقی پذیر ممالک میں اس میں اضافہ دیکھنے میں آرہا ہے۔ پاکستان میں نہ صرف نوجوان محنت کشوں کا تناسب زیادہ ہے بلکہ نوجوان محنت کشوں کی شرح شرکت بھی بڑھ رہی ہے (دیکھئے **جدول 8.7**) اور 2006-07ء میں 44.2 فیصد تک پہنچ گئی ہے۔ تاہم صنفی عدم مساوات مسئلہ بنا ہوا ہے کیونکہ نوجوان مردوں اور خواتین کے درمیان فرق 50.7 فیصد ہے جو 2006ء میں جنوبی ایشیائی سطح 34.6 فیصد سے خاصا زیادہ ہے۔ مستقبل میں بڑھتا ہوا صنفی فرق اور خواتین کی شرکت کے فقدان سے دستیاب انسانی وسائل کو بھرپور انداز میں استعمال کرنے میں رکاوٹیں پیش آسکتی ہیں بلکہ معاشرے میں خواتین کو مستحکم مقام دلانے میں بھی مسائل کا سامنا ہوسکتا ہے۔

شکل 8.7: محنت کشوں کی شرح شرکت، صوبائی

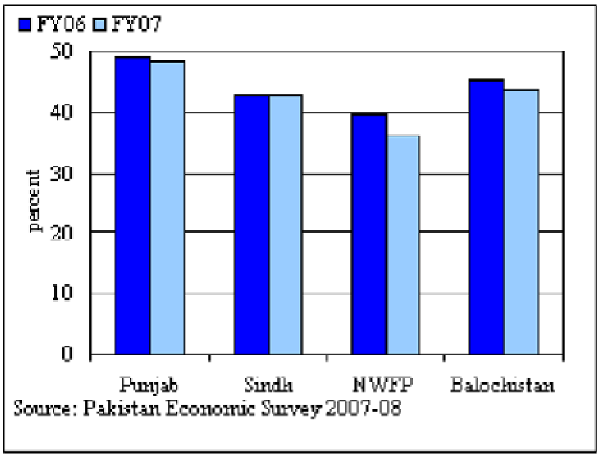

8.4 تعلیم

جدول 8.7: محنت کشوں کی شرح شرکت

	شرح شرکت فیصد میں		نوجوانوں کی شرح شرکت
	خام	درست شدہ	
2001-02ء	29.6	43.3	43.4
2003-04ء	30.4	43.7	43.6
2005-06ء	32.2	46	45.9
2006-07ء	31.8	45.2	44.2

ماخذ: اقتصادی سروے 2007-08ء

پاکستان کے آئین میں درج ہے کہ شہریوں کو تعلیم کی سہولتیں فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت نے اپنے محدود وسائل کے باوجود ملک میں تعلیم کی بہتری کے لیے کئی اقدامات کیے ہیں (دیکھئے **باکس 8.6**)۔ اعلان ہزاریہ 2000ء اور ڈاکار فریم ورک 2000ء جیسے معاہدوں پر دستخط کرنا اس امر کا عکاس ہے کہ حکومت تعلیم کو عام کرنے کا عزم رکھتی ہے۔ حکومت کی کوششوں کی وجہ سے م س 07ء میں اس سے پچھلے سال کی نسبت تعلیمی اظہاریوں میں بہتری دیکھنے میں آئی۔ شرح خواندگی م س 06ء کے مقابلے میں ایک فیصدی درجے بڑھ کر م س 07ء میں 55 فیصد ہوگئی (دیکھئے **جدول 8.8**)۔ مجموعی شرح داخلہ 4 فیصدی درجے بڑھ کر 91 فیصد ہوگئی۔ م س 07ء میں خالص شرح داخلہ میں 3 فیصدی درجے کا اضافہ ہوا اور یہ 56 فیصد ہوگئی۔

جدول8.8:صوبوں کے تعلیمی اظہاریے

	شرح خواندگی		مجموعی شرح داخلہ (پرائمری)		خالص شرح داخلہ (پرائمری)	
	م س06ء	م س07ء	م س06ء	م س07ء	م س06ء	م س07ء
پنجاب	56	58	94	100	57	62
سرحد	46	47	83	82	49	49
سندھ	55	55	80	79	50	50
بلوچستان	38	42	65	72	34	41
پاکستان	54	55	87	91	53	56

ماخذ: اقتصادی سروے 2007-08ء

صوبہ وار تجزیے (دیکھئے **جدول 8.8**) سے ظاہر ہوتا ہے کہ شرح خواندگی (58 فیصد)، مجموعی شرح داخلہ (100 فیصد) اور خالص شرح داخلہ (62 فیصد) کے لحاظ سے پنجاب سرفہرست رہا۔ پنجاب میں تعلیمی اصلاحات کی وجہ سے اس صوبے کے تعلیمی اظہاریے بہتر ہوئے۔ ان اصلاحات میں مشروط کیش ٹرانسفر پروگرام، مفت نصابی کتابیں، مفت وردیاں اور بعض دیگر اقدامات شامل ہیں۔ شرح خواندگی، مجموعی شرح داخلہ اور خالص شرح داخلہ کے لحاظ سے سندھ دوسرے نمبر پر ہے جبکہ تیسرا نمبر سرحد کا ہے۔ اگرچہ بلوچستان کی تعلیمی سطح سب سے کم ہے تاہم 2006-07ء کے دوران مذکورہ تینوں اظہاریوں کے لحاظ سے وہاں بہتری کی رفتار دیگر صوبوں سے زیادہ تھی۔ بلوچستان کی بہتر کارکردگی کا سبب بیس ایفیکٹ ہوسکتا ہے۔[31]

جدول8.9:صنفی مساوات اشاریہ

	شرح خواندگی		مجموعی شرح داخلہ (پرائمری)		خالص شرح داخلہ (پرائمری)	
	م س06ء	م س07ء	م س06ء	م س07ء	م س06ء	م س07ء
پاکستان	0.65	0.63	0.85	0.82	0.86	0.85
پنجاب	0.71	0.72	0.91	0.9	0.88	0.92
سندھ	0.63	0.63	0.81	0.77	0.87	0.77
سرحد	0.47	0.42	0.75	0.7	0.82	0.73
بلوچستان	0.37	0.38	0.63	0.58	0.69	0.65

ماخذ: اقتصادی سروے 2007-08ء

پاکستان سوشل اینڈ لِونگ اسٹینڈرڈز میژرمنٹ سروے 2006-07ء کے مطابق پورے ملک کا مجموعی صنفی مساوات اشاریہ[32] گذشتہ سال کی نسبت کم ہوا ہے (دیکھئے **جدول 8.9**)۔ صوبہ وار تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوائے پنجاب کے تمام صوبوں میں م س06ء اور م س07ء کے دوران صنفی مساوات اشاریہ کم ہوا۔

شکل8.8: پاکستان میں تعلیمی مالکاری کی ساخت

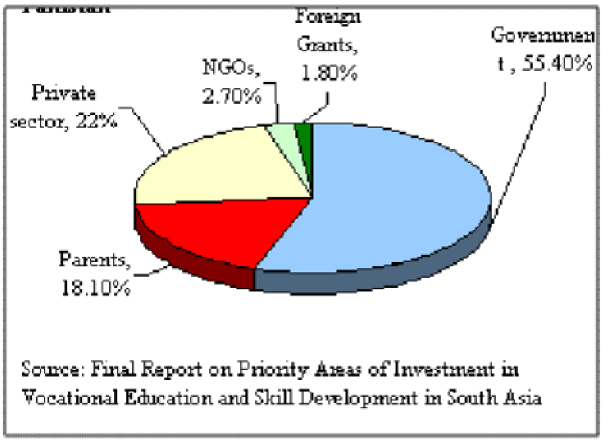

پاکستان میں تعلیمی مالکاری کا جائزہ لیا جائے (**شکل 8.8**) تو پتہ چلتا ہے کہ اس شعبے میں سب سے بڑی سرمایہ کار حکومت ہے۔ سرکاری شعبے کے اخراجات کا تفصیلی تجزیہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ پچھلے سات برسوں میں تعلیم پر اخراجات مسلسل بڑھے ہیں (دیکھئے **شکل 8.8 الف**)۔ 2000-2001ء میں مجموعی طور پر 75.9 ارب روپے کے اخراجات ہوئے تھے جو 2006-07ء میں 211.1 ارب تک پہنچ گئے۔ جی ڈی پی کے حصے کے لحاظ سے تعلیم پر سرکاری اخراجات پچھلے سات برسوں میں 2 فیصد رہے۔ رواں وفاقی بجٹ (2008-09ء) میں تعلیم کے لیے 24.6 ارب روپے مختص کیے گئے ہیں۔ یہ رقم کل میزانیے کا 1.22 فیصد اور مجموعی ترقیاتی اخراجات کا 4.47 فیصد ہے اور تعلیم کے لیے پچھلے بجٹ میں مختص کردہ رقم سے کم ہے۔ گذشتہ سال تعلیم کے لیے 24.28 ارب روپے رکھے گئے تھے جو مجموعی وفاقی بجٹ اخراجات کا 1.24 فیصد اور مجموعی ترقیاتی اخراجات کا 5.29 فیصد تھے۔ تاہم حکومت کا یہ عزم معلوم ہوتا ہے کہ تمام افراد کے لیے تعلیم کی فراہمی کو یقینی بنائے اور وہ 2010ء تک تعلیم کے لیے

31 بلوچستان کی شرح خواندگی، مجموعی شرح داخلہ اور خالص شرح داخلہ دیگر صوبوں کی نسبت بہت کم ہے۔ اس لیے ان اظہاریوں میں بلوچستان میں بہتر کارکردگی کی بہت گنجائش ہے۔

32 صنفی مساوات اشاریہ (Gender Parity Index) خواتین اور مردوں کے داخلوں کی تعداد کا تناسب ہے۔ اس اشاریے کی قیمت ایک سے زیادہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسکول میں ہر لڑکے کے مقابلے میں ایک سے زیادہ لڑکیاں ہیں۔

مجموعی سرکاری مختص رقم کو بڑھا کر جی ڈی پی کے 3.6 فیصد تک لانے کا منصوبہ رکھتی ہے۔[33]

ایک اور اظہاریہ طالب علم اور استاد کا تناسب (Pupil-Teacher Ratio, PTR) ہے۔ پرائمری تعلیم میں قومی سطح پر یہ تناسب 40، سب سے زیادہ پنجاب (47) میں اور سب سے کم فاٹا (29) میں ہے۔ لڑکیوں کے لیے یہ تناسب 36 ہے۔ وسطانی (middle) تعلیم کی سطح پر یہ تناسب پورے ملک کے لیے 16 اور لڑکیوں کے لیے 10 ہے۔ دارالحکومت اسلام آباد کے علاقے کے لیے یہ تناسب وسطانی سطح پر 33 اور بلوچستان کے لیے 12 ہے جس کے بعد فاٹا اور آزاد جموں و کشمیر کا نمبر آتا ہے۔ وسطانی سطح پر لڑکیوں کے لیے بلندترین پی ٹی آر اسلام آباد اور سب سے کم بلوچستان کے لیے ہے۔ ثانوی تعلیم کی سطح پر مجموعی پی ٹی آر 6 اور لڑکیوں کے لیے 4 کے لگ بھگ ہے (دیکھئے **شکل 8.9**)۔ جنوبی ایشیا کے دیگر ملکوں سے موازنہ کیا جائے تو پاکستان میں پی ٹی آر نسبتاً بہتر ہے (دیکھئے **جدول 8.10**)۔ پاکستان میں بلند پی ٹی آر کے مسئلے پر توجہ دینے اور اس تناسب میں کمی لانے کی ضرورت ہے۔

ہزاریہ مقاصدِ ترقی کے حوالے سے کارکردگی

ہزاریہ مقاصدِ ترقی کے دستخط کنندہ کی حیثیت سے پاکستان 2015ء تک پرائمری سطح پر خالص شرح داخلہ بڑھا کر 100 فیصد تک کرنے کا ذمہ دار ہے۔ تفصیلی تجزیے سے پتہ چلتا ہے کہ پاکستان اعلان ہزاریہ میں متعین کردہ اہداف سے پیچھے ہے (دیکھئے **جدول 8.11**)۔ خالص پرائمری داخلوں سے متعلق ہدف (58 فیصد) جو حکومت نے 06-2005ء تک حاصل کرنے کا وعدہ کیا تھا 07-2006ء (56 فیصد) تک بھی پورا نہ ہوسکا۔ ضلع وار تجزیے سے انکشاف ہوتا ہے کہ 105 اضلاع میں سے 30 میں پرائمری سطح پر شرکت کی شرح 20 فیصد سے کم اور صرف 7 میں 60 فیصد سے زیادہ ہے۔

خصوصاً لڑکیوں اور دیہی علاقوں میں خواندگی کی کم شرحیں اور پانچویں جماعت تک اسکول میں تعلیم جاری رکھنے کی کم شرح ابھی تک بڑا چیلنج ہے۔ تاہم حکومت ہزاریہ مقاصدِ ترقی کو حاصل کرنے میں پرعزم دکھائی دیتی ہے اور اس نے 09-2008ء کے بجٹ میں پری پرائمری اور

شکل 8.8 الف: تعلیم پر سرکاری اخراجات

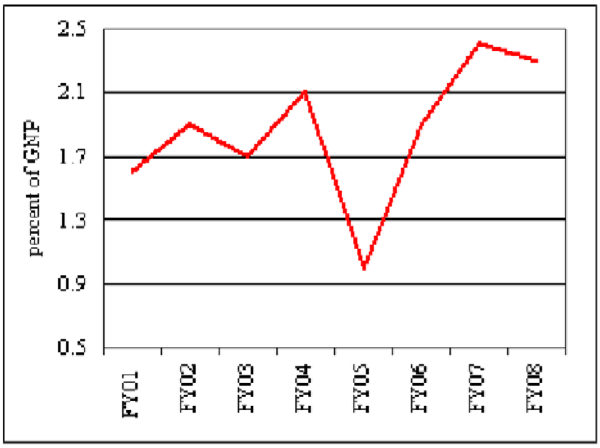

شکل 8.9: سطح اور صوبوں کے لحاظ سے شاگرد استاد تناسب

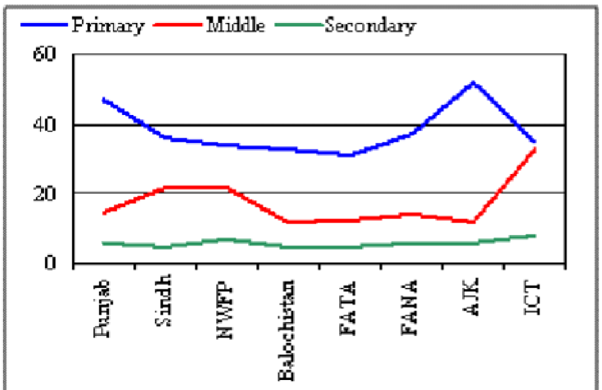

Source: Economic Survey of Pakistan, 2007-08

جدول 8.10: جنوبی ایشیا میں طالب علم استاد تناسب (پی ٹی آر) کا موازنہ

ملک	پری پرائمری سطح پر شاگرد استاد کا تناسب	پرائمری سطح پر شاگرد استاد کا تناسب	ثانوی سطح پر شاگرد استاد کا تناسب
بنگلہ دیش	34	51	27
بھوٹان	23	31	28
بھارت	41	40	32
ایران	27	19	19
مالدیپ	26	20	14
نیپال	20	40	35
پاکستان	41	38	37
سری لنکا	-	22	20

ماخذ: گلوبل ایجوکیشن ڈائجسٹ 2007ء

33 نجی شعبے کے اخراجات سے اس رقم میں 1.5 فیصد کا اضافہ متوقع ہے۔

جدول 8.11: ہزاریہ مقاصد ترقی کے حوالے سے پاکستان کی کیفیت

اظہاریے	م س 02ء	م س 03ء	م س 05ء	م س 06ء	م س 07ء	2005-06ء پی آر ایس پی اہداف	2011ء پرسپیکٹو پلان اہداف	2015ء ہزاریہ مقاصد ترقی اہداف
خالص پرائمری شرح داخلہ	51%	-	52%	53%	56%	58%	91%	100%
پانچویں جماعت تک تعلیم جاری رکھنے کی شرح	68%	72%	72%	74%		79%	-	100%
بالغ شرح خواندگی	50.50%	54.00%	53%	54%	55%	59.50%	78%	88%

ماخذ: پاکستان ملینیم ڈیولپمنٹ گولز رپورٹ 2005ء اور پاکستان اقتصادی سروے 2007-08ء

پرائمری تعلیم کے مختص بجٹ میں اضافہ کر دیا ہے۔ وفاقی بجٹ 2008-09ء میں پرائمری تعلیم کے اخراجات کا حصہ 10 فیصد بڑھ گیا ہے۔ ثانوی تعلیم کے لیے مجموعی پی ٹی آر لگ بھگ 6 (دیکھئے **شکل 8، 9**) نکالی گئی ہے جبکہ خواتین کے لیے یہ 4 کے لگ بھگ رہی ہے۔ جنوبی ایشیا کے دیگر ممالک کی نسبت پاکستان میں پی ٹی آر زیادہ ہے (دیکھئے **جدول 8.11**) اور 2008-09ء میں اسے پی ٹی آر کو جو 2007-08ء میں 8 فیصد رہی ہے، بہتر بنانا ہوگا۔ تمام آبادی کو پرائمری تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے حکومت کو مزید مالی وسائل مختص کرنے ہوں گے۔

جدول 8.12: صحت کے اظہاریے

ممالک	پیدائش پر اوسط عمر (سال)		شرح اموات (فی 000 زندہ ولادتیں)			
			شیرخوار		5 سال سے کم	
	2000ء	2005ء	2000ء	2005ء	2000ء	2005ء
پاکستان	63	64.6	83.3	70	110	99
بھارت	63	63.7	69.2	56	88	74
بنگلہ دیش	61	63.1	60	54	83	73
سری لنکا	73	71.6	15	12	18	14
مالدیپ	65	67	15	33	18	42
بھوٹان	62	64.7	57.6	65		75
نیپال	59	62.6	73.6	56	105	74

ماخذ: انسانی ترقی رپورٹ 2007-08ء

8.5 صحت

انسانی ترقی اشاریے خصوصاً صحت کے اشاریے کو دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ جنوبی ایشیا میں سب سے بڑا چیلنج اور انسانی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ شاید صحت کا شعبہ ہے۔ جنوبی ایشیا کے زیادہ تر ممالک صحت سے متعلق چار ہزاریہ مقاصدِ ترقی کے حصول کے راستے پر بہت پیچھے چل رہے ہیں۔ پاکستان بھی اس صورتحال سے مستثنیٰ نہیں اور پاکستان کے صحت سے متعلق اہم اظہاریے علاقائی ممالک کے مقابلے میں بھی حوصلہ افزا تصویر پیش نہیں کرتے (**جدول 8.12**)۔ اس سیکشن میں پاکستان کے صحت کے اظہاریوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

شکل 8.10: پاکستان میں شرح اموات کے رجحانات

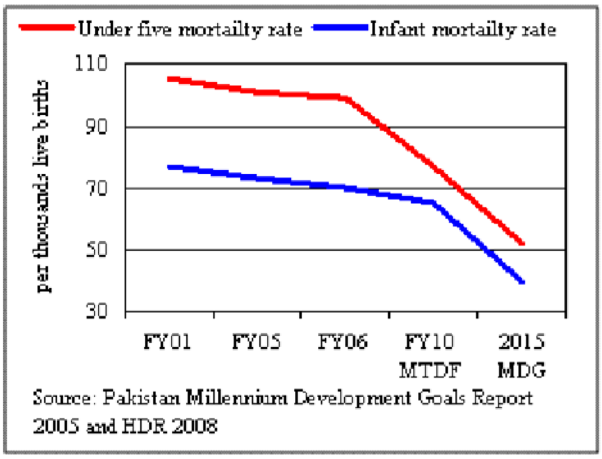

پاکستان میں اوسط عمر 2000-01ء سے بہتر ہوئی ہے اور 2005ء کے تخمینوں میں جنوبی ایشیائی ممالک کی اوسط عمر کے قریب ہے (دیکھئے **جدول 8.12**)۔ 2000-06ء کے عرصے میں شیرخوار بچوں کی شرح اموات (Infant Mortality Rate) اور پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات (U5MR) میں بہتری دیکھنے میں آئی لیکن بہتری کی رفتار سست رہی (دیکھئے **شکل 8.10**)۔ ایک ہزار زندہ ولادتوں میں سے 99 بچے پانچ سال کی عمر سے پہلے فوت ہو جاتے ہیں جبکہ 70 بچے اپنی پہلی سالگرہ بھی نہیں دیکھ پاتے۔ تشویشناک امر یہ ہے کہ جنوبی ایشیا کے ممالک میں پاکستان میں شیرخوار بچوں کی شرح اموات اور پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات سب سے زیادہ ہے۔ تعلیم کی کمی اور عدم مساوات بلحاظ آمدنی کی وجہ سے لوگ موزوں دیکھ بھال نہیں کرتے اور انہیں صحت کی سہولتیں دستیاب نہیں ہوتیں۔ اس وجہ سے ہر سال بہت سے شیرخوار بچے موت سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔ بعض بالواسطہ عوامل بھی شیرخوار بچوں کی بلند شرح اموات کا باعث ہیں جن میں ولادت کے بعد ٹٹنس، ماں کے لیے غذا کی کمی اور اس کی عمومی صحت وغیرہ شامل

ہیں۔ وسط مدتی ترقیاتی فریم ورک کے اہداف میں 10-2009ء تک پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات کو فی 1000 زندہ ولادتوں میں 77 اموات اور شیر خوار بچوں کی شرح اموات کو فی 1000 زندہ ولادتوں میں 65 اموات تک لانا شامل ہے۔ اس کے مطابق ہزاریہ مقاصدِ ترقی کے اہداف میں 2015ء تک پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات کو 52 اور شیر خوار بچوں کی شرح اموات کو 40 اموات فی 1000 زندہ ولادتوں تک لانا ہوگا۔ جس رفتار سے کمی آ رہی ہے، شیر خوار بچوں کی شرح اموات کا ہدف پورا ہونے کا امکان ہے۔ موجودہ صورتحال میں پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح اموات سے متعلق وسط مدتی ترقیاتی فریم ورک اور ہزاریہ مقاصدِ ترقی دونوں کے اہداف کا حصول مشکل نظر آتا ہے۔ اس صورتحال کی بہتری کے لیے حکومت کی جانب سے توجہ، مخلصانہ کوششوں اور مزید وسائل کی ضرورت ہوگی۔

شکل 8.11: صحت پر اخراجات

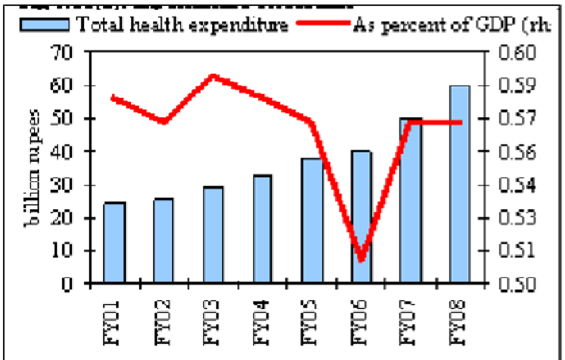

Source: Pakistan Economic Survey 2007-08

باکس 8.6: وژن 2030ء کو حقیقت بنانا

حکومت پاکستان کا وژن 2030ء ایک ایسے تعلیمی نظام کا تصور ہے جو طلبہ میں تحقیق و تدقیق کی روح اور تنقیدی فکر پیدا کر کے اور مسائل حل کرنے کی صلاحیتیں اجاگر کر کے تعلیم کے اصل مقصد کی تکمیل کرے۔

قومی تعلیمی پالیسی 2008ء جو اس وژن سے منسلک ہے ایک ایسے تعلیمی نظام کے بنیادی خواص متعین کرتی ہے جو وژن 2030ء کو حقیقت کا روپ دے سکے۔ قومی تعلیمی پالیسی 2008ء میں یہ کہا گیا ہے کہ تعلیمی نظام کے قلب میں جائزہ کاری کا ایک بھرپور طریقہ کار موجود ہونا چاہیے کیونکہ علم پر مبنی معیشت کا مقصد پانے کے لیے ضروری ہے کہ تعلیمی نظام معیاری، مساویانہ اور مؤثر ہو جس میں میرٹ کو بنیادی حیثیت حاصل ہو۔ جائزہ کاری کا یہ طریقہ کار تجزیاتی فکر اور تنقیدی سوچ کو پروان چڑھائے گا۔ یہ اظہار یے نظام کی مجموعی تاثیر اور تعلیمی نظام میں طلبہ کی انفرادی کارکردگی جانچنے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

وژن 2030ء پر مبنی تعلیمی نظام میں تمام تعلیمی اصلاحات کو نافذ کرنے کے حوالے سے استاد کی انتہائی اہم حیثیت تسلیم کی گئی ہے۔ استاد کی پیشہ ورانہ نشوونما اور جائزہ کاری اور قدر پیمائی کے طریقہ ہائے کار جیسے عوامل پر سب سے زیادہ زور دیا جانا چاہیے۔ استاد کی کارکردگی اس امر سے متعین کی جائے گی کہ اس کے کتنے طلبہ سال کے آخر میں ہونے والے امتحان میں کس درجے کی کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ استاد کو اپنے کیریئر میں متحرک رکھنے کے لیے متعدد ترغیبات دی جائیں گی۔ جائزہ کاری کا یہ نظام صرف اساتذہ اور طلبہ تک محدود نہیں بلکہ اس میں تعلیمی منتظمین بھی شامل ہیں۔ ان کی کارکردگی قلیل وسائل کے ماہرانہ استعمال سے منسلک ہوگی۔ اس تعلیمی نظام میں شفافیت کو یقینی بنایا جائے گا۔

مذکورہ بالا عوامل اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والا ایک نظام وجود میں لا سکتے ہیں جس میں سیکھنے سکھانے کے عمل کا بہترین معیار قائم ہوگا۔ اس نظام سے ہم آہنگ نصاب سے تنقیدی فکر، مسائل کے حل کی صلاحیت، ٹیم ورک اور علم کے اطلاق کی اہلیتوں کو فروغ ملے گا۔ توقع ہے کہ اس ماحول میں کام کرنے والے اساتذہ جدید تعلیمی طریقوں سے آشنا ہوں گے جن سے تمام طلبہ میں تجسس، ارتباط اور بندھے ٹکے خطوط سے ہٹ کر سوچنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ یہ نظام اساتذہ کو تجربے اور دوسرے اساتذہ کے علم سے استفادہ کرنے کی ترغیب دے گا۔ اس نظام میں جو احتسابی طریقے شامل کیے گئے ہیں وہ سیاسی مداخلت کے خاتمے کو یقینی بنائیں گے۔

ماخذ: قومی تعلیمی پالیسی 2008ء

مالی سال 2008ء کے اختتام پر صحت پر مجموعی اخراجات م س 02ء کے اختتام پر ہونے والے اخراجات کے دگنے سے بھی زیادہ تھے (دیکھئے **شکل 8.11**)۔ م س 07ء اور م س 08ء کے درمیان صحت پر ہونے والے مجموعی اخراجات میں 10 ارب روپے (20 فیصد) کا اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔ تاہم جی ڈی پی کے فیصد کے لحاظ سے صحت پر ہونے والا خرچ کم تھا اور اس میں کوئی خاص فرق نہیں آیا۔ مالی سال 2001ء سے 2008ء کے درمیان یہ 0.5 سے بڑھ کر 0.6 فیصد ہو گیا۔

صحت سے متعلق ہزاریہ مقاصدِ ترقی کے حصول کے حوالے سے کسی ملک کی کارکردگی جانچنے کے لیے دیگر اظہاریوں کا تجزیہ کرنے کی بھی ضرورت ہے جیسے ماں کی شرح اموات (Maternal Mortality Ratio, MMR)، ایچ آئی وی/ایڈز، ملیریا اور ٹی بی کا عام ہونا۔ تازہ ترین دستیاب تخمینوں (دیکھئے **شکل 8.12**) کے مطابق ہر ایک لاکھ زندہ ولادتوں میں ماؤں کی شرح اموات 350 ہے۔ اس بلند شرح کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان میں خواتین کے لیے صحت کی سہولتیں ناقص ہیں۔ ماں کی شرح اموات کے بلند ہونے میں زیادہ تر جریان خون، انفیکشن، ایکلمپسیا اور آبسٹرکٹیڈ لیبر کا کردار ہے۔ دیکھ بھال کی سہولتوں کی بارے میں لاتعلقی کے رویے اور انسانی وسائل کے فقدان کے علاوہ صحت مراکز پر موزوں تربیت یافتہ عملہ نہ ہونے سے بھی ماؤں کی شرح اموات میں اضافہ ہوا ہے۔ ان اسباب کے علاوہ نقل و حمل کی سہولتیں نہ ہونا بڑا مسئلہ ہے کیونکہ زیادہ تر صحت مراکز اور نجی کلینک شہری علاقوں میں واقع ہیں۔ ماؤں کی اموات کو روکنے کا مؤثر طریقہ یہ ہے کہ زچگی موزوں اور سازگار ماحول میں کرائی جائے جہاں ہر قسم کی

شکل 8.12: ماؤں کی شرح اموات (اموات فی 100,000 زندہ ولادتیں)

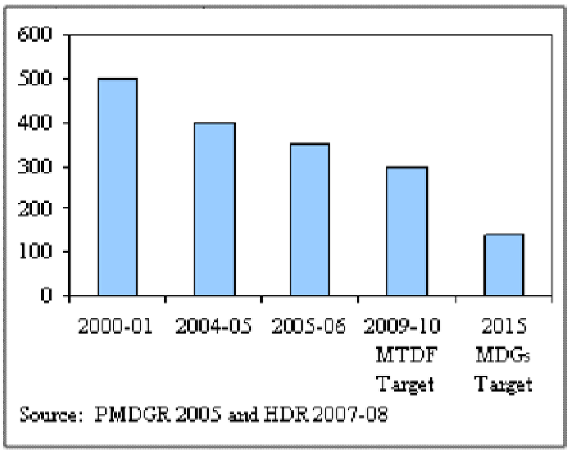

صورتحال سے نمٹنے کے لیے عملہ موجود ہو۔[34] مزید یہ کہ پیدائش سے پہلے کی دیکھ بھال بھی ضروری ہے۔ 2000ء سے 2005ء کے درمیان ایم ایم آر میں کمی (30 فیصد) مجموعی شرح زرخیزی میں کمی (27 فیصد) سے مطابقت رکھتی ہے جس سے اس دعوے کو تقویت ملتی ہے کہ زرخیزی کی کم شرح سے بھی ماں کی صحت کی بہتر ہوتی ہے۔

پاکستان میں ایچ آئی وی/ایڈز، ملیریا اور ٹی بی کی شرح بھی سال بسال بدلتی رہی ہے۔ پوری آبادی میں ایچ آئی وی/ایڈز کی شرح ابھی تک 1 فیصد سے کم ہے اس لیے پاکستان کو اس حوالے سے کم خطرناک ملک سمجھا جاتا ہے۔ پاکستان میں ایچ آئی وی/ایڈز کے تشخیص شدہ کیسز میں مردوں کی تعداد خواتین سے زیادہ ہے۔

2006ء کی سچوئیشن اینڈ ریسپانس انالسس رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایچ آئی وی/ایڈز کے تشخیص شدہ کیسز میں اضافہ ہو رہا ہے (دیکھئے **جدول 8.13**)۔ حکومت پاکستان نے ایچ آئی وی/ایڈز کے ہزاریہ مقاصدِ ترقی کے اہداف حاصل کرنے کے سلسلے میں کئی حکمت ہائے عملی اختیار کی ہیں۔ ان میں آگاہی بڑھانے کے لیے ذرائع ابلاغ پر مہم چلانا اور اس جان لیوا مرض کے خلاف قومی کاوشوں کے لیے 7 کروڑ 10 لاکھ ڈالر سے زائد مختص کرنا شامل ہیں۔[35]

جدول 8.13: ایچ آئی وی، ملیریا اور ٹی بی کی شرح

اظہاریے	1990-91ء	2001-02ء	2004-05ء	2005-06ء	ایم ٹی ڈی ایف ہدف 2009-10ء	ہزاریہ مقاصد ترقی ہدف 2015ء
15 تا 24 سالہ حاملہ خواتین میں ایچ آئی وی کی شرح (%)	دستیاب نہیں	0.03	0.03	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	50 فیصد تک کمی
مخدوش گروپ (مثلاً فعال سیکس ورکرز) میں ایچ آئی وی کی شرح (%)	دستیاب نہیں	0.031	2	دستیاب نہیں	دستیاب نہیں	50 فیصد تک کمی
ملیریا کے خطرے سے دوچار علاقوں میں بچاؤ اور علاج کے اقدامات کرنے والی آبادی کا تناسب	دستیاب نہیں	20	30	25	50	75
ٹی بی کی شرح فی 100,000 آبادی	دستیاب نہیں	177	160	133	130	45
ڈاٹس کے تحت تشخیص اور شفا ہونے والے ٹی بی کے مریضوں کا تناسب	دستیاب نہیں	25	40	70	80	85

ماخذ: پاکستان ملینیم ڈیولپمنٹ گولز رپورٹ 2006ء

ٹی بی کے خاتمے کی بے حد کوششوں کے باوجود یہ ابھی تک مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ فی ایک لاکھ افراد میں 133 اس مرض میں مبتلا ہیں۔ ٹی بی کی شرح زیادہ ہونے کی وجوہات میں آبادی کا تیزی سے بڑھنا، کم جگہ پر زیادہ افراد کا رہنا، صحت کی ناقص سہولتیں اور ٹی بی کے مریضوں کا نامکمل علاج شامل ہیں۔

ملیریا بھی بدستور خطرہ بنا ہوا ہے اور دیہی علاقوں میں اس کی شرح زیادہ ہے۔ ملیریا سے مخدوش علاقوں میں آبادی کا جو تناسب اس بیماری کے خلاف مؤثر احتیاطی تدابیر اور علاج کے لیے اقدامات کر رہا ہے اسے ملیریا کے خاتمے کے ایک اظہاریے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ملیریا کے خلاف مؤثر احتیاطی تدابیر کرنے والے اضلاع کی آبادی کا تناسب 2004-05ء میں 30 فیصد سے کم ہو کر 2005-06ء میں 25 فیصد ہو گیا۔ حکومت نے پچھلے پانچ سال سے شعبہ صحت کی بہتری کے لیے فعال پالیسی اپنائی ہوئی ہے۔ یہاں 2000-07ء کے دوران ہونے والی بہتری کا تذکرہ کرنا مناسب ہوگا۔ پورے ملک میں صحت مراکز کا جال بچھایا گیا جن میں 1138 ایم سی ایچ سینٹرز شامل ہیں جس سے ظاہر ہوتا

34 پاکستان ہزاریہ مقاصدِ ترقی رپورٹ 2005ء

35 پاکستان ہزاریہ مقاصدِ ترقی رپورٹ 2006ء

جدول8.14: 2000ء سے 2007ء کے درمیان دستیاب انسانی وسائل

سال	ایم سی ایچ مراکز	ڈاکٹرز	ڈینٹسٹ	نرسیں	مڈوائفیں	لیڈی ہیلتھ ورکرز
2000ء	856	92824	4165	37528	22525	5443
2001ء	879	97200	4600	40000	22700	5600
2002ء	862	102500	5100	44500	23100	6300
2003ء	907	108151	5531	46331	23318	6559
2004ء	906	113295	6128	48446	23559	6741
2005ء		118098	6743	51270	23897	7073
2006ء	1138	123125	7438	57646	24692	8405
2007ء		127859	8195	62651	25261	9302

ماخذ: اقتصادی سروے 08-2007ء

ہے کہ پچھلے کئی برسوں کے مقابلے میں صورتحال بہت بہتر ہوئی ہے۔ **جدول 8.14** پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے سات برسوں میں ڈاکٹروں، ڈینٹسٹوں اور نرسوں اور ایل ایچ ویز کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔ اس اضافے کے باوجود آبادی/خدمت کا تناسب زیادہ ہے جس کا سبب آبادی کی بلند شرح نمو (2006-1990ء کے دوران 2.4 فیصد) ہے۔ تازہ ترین دستیاب اعداد و شمار کے مطابق ہر 1225 افراد کے لیے ایک ڈاکٹر اور ہر 2501 افراد کے لیے ایک نرس ہے۔ یہ صورتحال صحت کی محدود سہولتوں کی عکاس ہے۔

تشویش کا ایک اور پہلو صحت کی سہولتوں کی غیر مساوی تقسیم ہے۔ زیادہ تر صحت مراکز شہری علاقوں میں ہیں۔ غریب لوگوں کی اکثریت جو بیماری کا زیادہ شکار ہوتے ہیں، دیہی علاقوں میں مقیم ہیں۔ اس کے باوجود ان علاقوں میں صحت کی سہولتیں کم ہیں اور ان کا معیار بھی کم ہے۔

چونکہ سرکاری وسائل محدود ہیں اور موزوں طور پر استعمال نہیں کیے جا رہے اس لیے اس سلسلے میں نجی شعبے، بلا منافع کام کرنے والی انجمنوں، سول سوسائٹی اور مقامی تنظیموں کو ترغیب دینے کی ضرورت ہے کہ اس شعبے کی طرف آئیں جبکہ حکومت کو پالیسی سازی، نگرانی اور شعبہ صحت کو قواعد و ضوابط کے ماتحت لانے پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔

8.6 ماحول

تیز معاشی نمو اور ترقی سے ماحولیاتی وسائل پر دباؤ پڑ سکتا ہے۔ ماحولیاتی وسائل کے بے جا استعمال کا یہ عمل جنگلات کے ضیاع، زمین کی خرابی، ہوا کی آلودگی اور پینے کے صاف پانی کی قلت وغیرہ کی شکل میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ماحولیاتی وسائل کی ایک بڑی وجہ غربت اور بڑھتی ہوئی آبادی بتائی جاتی ہے۔ ماحولیاتی خرابی آلودگی پیدا کر کے غریبوں کو متاثر کرتی ہے جس سے بیماریوں کا خطرہ بڑھ جاتا ہے جس کے نتیجے میں پیداواریت اور غریبوں کی آمدنی متاثر ہوتی ہے۔

شور اور ہوائی آلودگی اور گاڑیوں کا دھواں پاکستان میں تشویشناک حدوں کو چھو رہا ہے۔ پاکستان کے سب سے زیادہ گنجان آباد شہروں میں ہوائی آلودگی کی شرح دنیا کی بلند ترین شرحوں میں سے ہے اور اس کے مزید بڑھنے کا خدشہ ہے۔ پاکستان میں ہوائی آلودگی صحت کی نگہداشت کی لاگت میں 50 کروڑ ڈالر سالانہ کا اضافہ کر رہی ہے۔[36] حکومت پاکستان اپنے محدود وسائل کے ساتھ ملکی ماحول کو بہتر بنانے کے لیے پرعزم ہے (دیکھئے **باکس 8.7**)۔ اس مقصد کے لیے حکومت ماحول سے متعلق مختلف بین الاقوامی معاہدوں میں شامل ہوئی ہے جن میں سے ایک ہزاریہ مقاصدِ ترقی ہے۔ ہزاریہ مقاصدِ ترقی کا مقصد نمبر 7 ماحولیاتی پائیداری کو یقینی بنانا ہے۔ ساتھ دیے گئے اعداد و شمار سے ماحول سے متعلق ہزاریہ مقاصدِ ترقی میں کامیابی کا پتہ چلتا ہے۔

پاکستان میں جنگلات کا رقبہ (**شکل 8.13ب**) 08-2007ء میں بڑھ کر کل زمینی رقبے کا 5.2 فیصد ہو گیا۔ وسط مدتی ترقیاتی فریم ورک 10-2009ء کے لیے اس رقبے کا ہدف 5.2 فیصد تھا جو پہلے ہی حاصل ہو چکا ہے اور موجودہ رجحان کو دیکھتے ہوئے ہزاریہ مقاصدِ ترقی 2015ء کا ہدف حاصل ہونے کا امکان ہے۔ جنگلی حیات کی بقا کے لیے محفوظ علاقہ

[36] www.rrcap.unep.org/projects/nsds/Env%20POVERTY1-Talat.ppt

شکل 8.13الف: پینے کا پانی اور نکاسی آب

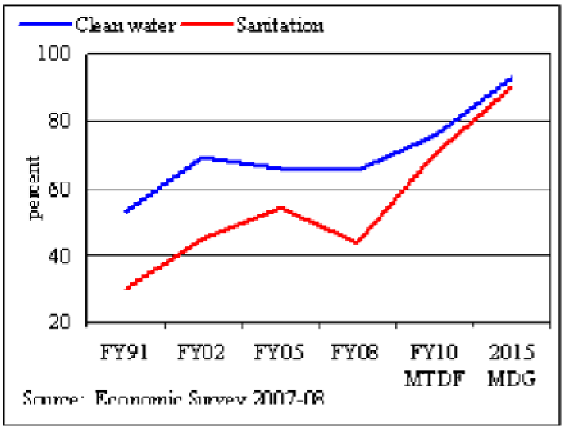

شکل 8.13ب: جنگلات اور محفوظ علاقہ

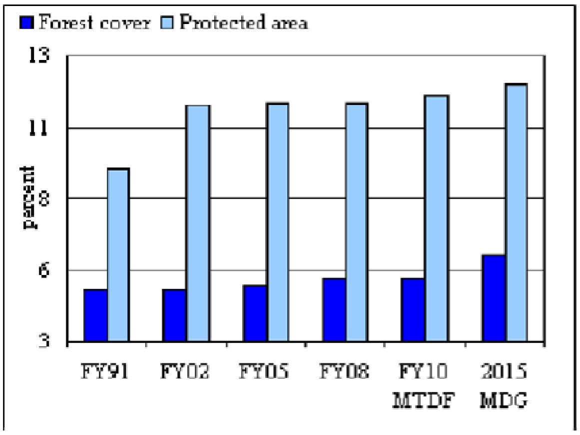

2007-08ء میں (مجموعی علاقے کا) 11.3 فیصد تھا۔ پچھلے رجحان کے پیش نظر وسط مدتی ترقیاتی فریم ورک (11.6 فیصد) اور ہزاریہ مقاصدِ ترقی (12 فیصد) کے اہداف قابل حصول معلوم ہوتے ہیں۔

2007-08ء کے دوران نکاسی آب کی سہولتوں تک رسائی 44 فیصد تک پہنچ گئی۔ وسط مدتی ترقیاتی فریم ورک 2009-10ء میں اس کے لیے ہدف 50 فیصد اور ہزاریہ مقاصدِ ترقی میں 2015ء تک 90 فیصد مقرر کیا گیا ہے (دیکھئے **شکل 8.13 الف**)۔ اس لیے حکومت کو اس ضمن میں کوششیں تیز کرنے کی ضرورت ہے۔ صاف پانی تک رسائی 2007-08ء میں 65 فیصد تھی جبکہ وسط مدتی ترقیاتی فریم ورک 2009-10ء کا ہدف 76 فیصد اور ہزاریہ مقاصدِ ترقی 2015ء کا ہدف 93 فیصد ہے۔ اگر موجودہ رجحان برقرار رہا تو مقررہ مدت میں اہداف حاصل ہو جائیں گے۔

شکل 8.14: سی این جی کے شعبے کی نمو

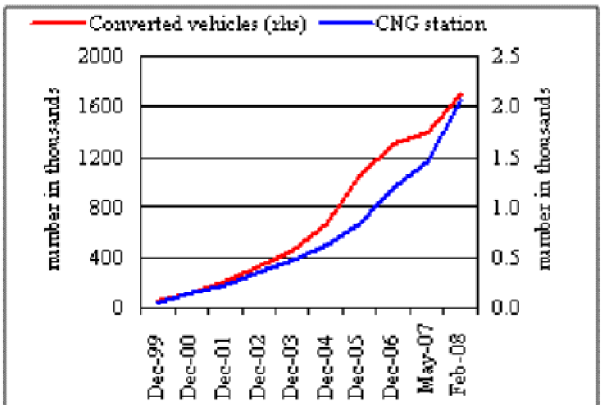

Source: Economic Survey 2007-08

درج بالا سطور میں زیر بحث آنے والے بعض ماحولیاتی اظہاریوں میں ہزاریہ مقاصدِ ترقی کے مقصد نمبر 7 کے حوالے سے آنے والی کچھ بہتری 2001ء میں جاری کیے جانے قومی ماحولیاتی ایکشن پلان (NEAP) کے طفیل ہے۔ اس پروگرام کا اصل مقصد معاشی نمو کے تناظر میں ماحولیاتی پائیداری حاصل کرنا اور غربت میں کمی لانا تھا۔ نیپ کے پہلے مرحلے میں قومی ماحولیاتی پالیسی، قومی نکاسی آب پالیسی، کلین ڈیولپمنٹ مکینزم اسٹریٹجی اور قومی جنگلات پالیسی اور تحفظ توانائی پالیسی کے حوالے سے متفرق اہداف حاصل کیے گئے۔

باکس 8.7: ماحول کے تحفظ کے لیے اہم اقدامات

☆موجودہ حکومت نے 2009ء کو ماحولیات کا سال قرار دیا ہے۔

☆وفاقی بجٹ 2008-09ء میں 21 کروڑ روپے ماحولیاتی تحفظ کے لیے مختص کیے گئے ہیں جو پچھلے سال کی رقم سے 14.75 فیصد زیادہ ہیں۔

☆حکومت ملک کے بڑے شہروں میں 8000 ماحول دوست سی این جی بسیں چلانے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔

☆پینے کا صاف پانی فراہم کرنے کے لیے ایک نیشنل ڈرنکنگ واٹر پالیسی متعارف کرائی گئی ہے۔ اس پالیسی کا مقصد تمام آبادی کو سستے داموں پینے کا صاف پانی مساویانہ، موثر اور پائیدار انداز میں فراہم کرنا ہے۔

☆وزارت ماحولیات نے پینے کے صاف پانی کا معیار جانچنے کے لیے ایسے اظہاریے متعین کیے ہیں جن کا آسانی سے مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ ان میں رنگ، ذائقہ، بو اور شفافیت شامل ہیں۔

یہاں ایک اور کامیابی کا تذکرہ مناسب ہوگا۔لکوڈ پٹرولیم فیولز کی جگہ سی این جی لائی گئی تاکہ خاص طور پر شہری علاقوں میں جہاں ہوائی آلودگی کا مسئلہ بڑھتا جارہا ہے، ماحول کو محفوظ بنایا جاسکے۔اب پاکستان ایشیا میں سی این جی کا سب سے بڑا استعمال کنندہ بن چکا ہے اور ارجنٹینا اور برازیل کے بعد گاڑیوں میں سی این جی استعمال کرنے والا دنیا کا تیسرا بڑا ملک ہے۔فی الوقت 17 لاکھ سے زائد گاڑیوں میں سی این جی بطور ایندھن استعمال ہو رہی ہے اور ملک کے مختلف حصوں میں 2063 سی این جی اسٹیشن کام کررہے ہیں۔سی این جی سب سے پاک ایندھن ہے جس میں سلفر نہیں ہوتا اور نہ ذراتی اخراج ہوتا ہے۔اس میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کا اخراج پٹرول کے مقابلے میں دس گنا کم ہے۔ پٹرول کی جگہ سی این جی لانے کے کامیاب پروگرام (دیکھئے **شکل 8.14**) کے بعد حکومت اب ڈیزل کی جگہ بھی، جو آلودگی پیدا کرتا ہے، سی این جی لانے کا پروگرام تشکیل دے رہی ہے۔اس سلسلے میں حکومت سرمایہ کاروں کو سی این جی بسیں استعمال کرنے کے لیے ترغیبات دے رہی ہے۔